جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

—— نگرانِ اعلیٰ : ——

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

انوارِ مدینہ

مدیر اعزازی
پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مدیر معاون
حبیب الرحمٰن اشرف

فون
۶۲۹۳۲

قیمت
پچاس پیسے

جلد : ۲ | جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۹۱ھ ○ اگست سنہ ۱۹۷۱ء | شمارہ : ۳

اس شمارے میں

۱	اداریہ		۲
۲	قرآن مجید کی عظمت	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ	۵
۳	اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْن	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہٗ	۱۲
۴	نعت النبیؐ	علامہ سیّد محمد زمان شاہ	۱۵
۵	انوارِ صحابہؓ	حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہٗ	۱۶
۶	جواہر الحدیث	مولانا محمد عارف صاحب و مولانا فیوض الرحمٰن صاحب	۲۱
۷	ذکر الاجلاء المقدسین	مولانا عبد المنان دہلوی	۲۸
۸	حیات شیخ الاسلامؒ	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہٗ	۳۲
۹	نعت	الحاج محمود احمد عارف	۳۹
۱۰	غزلیں	حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ و سیّد امین گیلانیؒ	۴۰
۱۱	اقتصادی اور سیاسی مسائل	حضرت مولانا سیّد محمد میاں دامت برکاتہم	۴۱

پتہ : جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

جہاد کے لیے تیّار رہیے!

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد، آج کل مشرقی پاکستان پر بھارت نے اپنے دانت تیز کر رکھے ہیں اور اس درجہ حالات بگاڑ دئے ہیں کہ عالمی حالات پر نظر رکھنے والے انھیں تشویش کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

ایک مسلمان کے لیے ایسے حالات نہ پریشان کن ہو سکتے ہیں، نہ مایوس کُن۔ وہ ہر حال میں خدا پر پر نظر رکھتا ہے اور اس کی رضا چاہتا ہے۔ اس کا جینا مرنا، جان و مال سب خدا کے لیے ہوتے ہیں۔ مسلمان کی نظر جہاد کے وقت خدا کے وعدے پر ہوتی ہے۔ وہ سچّا ہے۔ اس کا وعدہ سچّا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان
اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ	کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنّت ہے۔ لڑتے ہیں
الْجَنَّۃَ۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اللہ کی راہ میں۔ پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا
فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ وَعْدًا عَلَیْہِ	اس کے ذمّے پر سچّا۔ توریت اور انجیل اور قرآن
حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ	میں۔
وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا	اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ۔
بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ۔ وَذٰلِکَ ھُوَ	سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے،
الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (پ: ۱۱- رکوع: ۳)	اُس سے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

ہمیں ایک منٹ بھی ضایع کیے بغیر ہر قسم کی تیاری کی پوری جدوجہد کرنی چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جس وقت جنگ ہوتی ہو تو پبلک ثابت قدم رہے۔ تمام کاروبار، کارخانے، کھیتی باڑی اور تعلیم وغیرہ کے تمام کام ایسے جاری رہیں جیسے حالت امن میں تاکہ اقتصادی اعتبار سے ابتری نہ پھیلنے پائے۔ ایسی صورت میں فوج کی ہمّت بندھی رہتی ہے اور ملک بھی لمبا مقابلہ کرنے کے رہتا ہے۔

حالتِ جنگ میں کس طرح رہنا چاہیے اس کے ضوابط اور طریقے سول ڈیفنس میں سکھائے جاتے ہیں۔ طلبۂ مدارس عربیہ کو جن کا جہاد میں سب سے بڑا حصّہ ہونا چاہیے ، یہ تربیت مکمل طور پر حاصل کرنی چاہیے تاکہ حدیث شریف میں فرمائے ہوئے وعدہ کے مستحق ہو سکیں۔

مَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا ۔

جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی بھلائی (اور خلوص نیت) کے ساتھ (اس کے متعلقین یا کاروبار و جائیداد وغیرہ کی دیکھ بھال میں) قائم مقامی کرے تو اس نے بھی جہاد کیا ——

قنوتِ نازلہ

(دُعاءِ مُصیبت)

حوادث و مصائب اور خاص جنگوں کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ صبح کی آخری رکعت میں قنوت پڑھی اور صحابہ کرامؓ نے بھی خاص خاص حالات میں قنوتِ نازلہ پڑھی ہے۔ وطنِ عزیز کو اس وقت جو مشکلات درپیش ہیں۔ ان کے پیش نظر ہمیں چاہیے کہ پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں اور صبح کے فرضوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر اس دعا کو امام آواز سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔ دُعا کے بعد اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جائیں۔ اس دعا کے الفاظ موجودہ حالات میں جو مناسب ہیں وہ اگلے صفحہ پر دے رہے ہیں۔ ان میں اگر کسی کلمہ کی تکرار کرنی چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ زیادہ شدید حالات ہوں تو قنوت سب جہری نمازوں میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

حامد میاں

★

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنَا فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنَا فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، وَلَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَأَنْجِزْ وَعْدَهُ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ، وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ۔ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى وَالْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ أَوْلِيَاءَكَ، وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ، وَيُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ۔ اَللّٰهُمَّ دَمِّرْ دِيَارَهُمْ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ وَاهْزِمْ جُنْدَهُمْ، وَأَلْقِ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ وَالْفَشَلَ۔ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَشِدَّائِهِمْ وَخُذْهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاكِرَ الْمُسْلِمِينَ فِي فَلَسْطِينَ وَكَشْمِيرَ وَسَائِرِ بَاكِسْتَانَ۔ وَاشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مَنْ قَاتَلَهُمْ مِّنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى وَالْمُشْرِكِينَ، وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِي لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ أَهْلُهُ۔ وَعَامِلْنَا بِمَا أَنْتَ أَهْلُهُ أَنْتَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وَالْمَنِّ وَالْفَضْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ وَصَلِّ عَلٰى أَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ وَأَكْرَمِهِمْ لَدَيْكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَأَصْحَابِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

ترجمہ

اے اللہ! جنھیں تُو نے ہدایت بخشی اُن میں ہمیں بھی (شامل کرکے) ہدایت پر قائم رکھ۔ اور جنھیں تُو نے عافیت سے نوازا۔ ان میں ہمیں بھی کر دے۔ اور جن کا تو کارساز و والی ہوا۔ ان میں (ہمیں شامل کرکے) ہمارا

(باقی ص ۳۱ پر)

قسط ۲

قرآن مجید

کی عظمت نتائج کی روشنی میں

شیخ التفسیر حضرۃ مولانا علامہ شمس الحق صاحب افغانی ادام اللہ معالیہم

قرآن کی قانونی عظمت

مخلوقات کا جبری قانون یا قانونِ قدرت

قانون ہر مخلوق کی زندگی کا ضابطہ ہے، خواہ جمادات ہوں نباتات یا حیوانات یا انسان۔ فرق صرف یہ ہے، کہ انسان کے ماسواء ایک اور جبری الٰہی قانون میں جکڑے ہوئے ہیں، جس کو ہم قانونِ قدرت کہتے ہیں۔ آسمان کے ستارے و سیّارے ایک خاص نظامِ حرکت سے مربوط ہیں، اس نظام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے، پانی بلندی سے پستی کی طرف جاسکتا ہے، اس کے خلاف نہیں کرسکتا، زمین سمندر کے نیچے رہے گی، پانی کے اوپر نہیں تیر سکتی ہے، ایک رتّی بھر سوئی کو سمندر میں ڈالو تو ڈوب جائیگی، لیکن سینکڑوں ٹن کا جہاز سمندر پر تیرتا رہے گا۔ درختوں کی جڑیں نیچے جائینگی اور شاخیں اوپر۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ شاخیں نیچے جائیں اور جڑیں اوپر۔ مویشی گھاس کھائیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے، لیکن درندے گوشت کھائیں گے اور گھاس نہیں کھائیں گے، یہ ان مخلوقات کی قانونی زندگی کی دلیل ہے، جو قانونِ قدرت کے تحت ان پر حاوی ہے اور ان کے خلاف ان کو مجال دم زدن نہیں کیونکہ جبری قانون ہے۔

آسماں مجبور ہیں، شمس و قمر مجبور ہیں انجم سیماب پارفتار پر مجبور ہیں

انسان کے لیے اختیاری قانون

یہی جبری قانون انسان پر بھی حاوی ہے، کہ وہ قدموں کے بل چل سکتا ہے، سر کے بل نہیں چل سکتا لیکن انسان کے لیے اختیاری قانون بھی ہے، جس کا کرنا نہ کرنا، اس کے اختیار میں ہے، اس لیے انسان فاعل مختار ہے، اسی اختیار پر حسن و قبح نقص و کمال ثواب و عقاب کا مدار ہے۔ اس قانونِ اختیاری کا دوسرا نام اگر خدائے بنایا ہو تو قانونِ شریعت ہے۔ اگر بنانے والا انسان ہو، تو اس کا نام قانونِ انسان ہے۔ خواہ بنانے والا ایک فرد ہو، بادشاہ یا ڈکٹیٹر یا جماعت ہو یا پارلیمنٹ، لیکن نفس قانون اختیاری کی ضرورت تمام اقوام میں مُسلّم ہے۔ اس لیے کوئی ملک اور کوئی حکومت قانون سے خالی نہیں۔ اب ہم کو یہ طے کرنا ہے کہ قانونِ اختیاری انسان کا حق ہے یا خدا کا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ضرورت قانون کی اصلی وجہ یا وجوہات بیان کریں۔

۱۔ انسان میں جب تک خواہش موجود ہے، وہ دوسروں کا حق مارنے سے دریغ نہیں کریگا۔ اور جب تک اس میں غضب کا جذبہ موجود ہے، وہ دوسروں پر دست درازی سے باز نہیں آئے گا۔ پہلی صورت میں مال کو خطرہ ہوگا اور دوسری صورت میں جان کو۔ جن کے تحفظ کے لیے دیوانی و فوجداری قوانین کا وجود ضروری ہے، تاکہ مال اور جان محفوظ رہ سکیں، کیوں کہ یہ تو ممکن نہیں، یہ دونوں فطری جذبے جو لوازمات انسانیت سے ہیں، موجود ہوں اور ان کے نتائج موجود نہ ہوں۔ اب اقامت عدل اور تحفظ حقوق انسانیہ کے لیے قانون سازی کیا انسان کا حق ہے یا خدا کا؟ یہ فیصلہ آسانی سے سمجھ میں آسکے گا، جب کہ مندرجہ ذیل امور ذہن نشین ہوں۔ قانون ساز قوت میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے

۱۔ علم تام ۲۔ عدل کامل ۳۔ رحمت و شفقت کاملہ ۴۔ غیر جانبداری

یہ چار امور صرف اللہ کی ذات میں موجود ہیں، انسان خواہ فرد ہو یا جماعت ان سے خالی ہے۔ لہذا انسان کو قانون اور ضابطۂ حیات کی تشکیل کا حق نہیں، پہلی چیز، یعنی علم تام وہ انسان کو حاصل نہیں، اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں میں انسانی قانون کی وقتاً فوقتاً تبدیلی اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کے علم اور اس

کے قانون میں نقص موجود ہے۔ پھر ایک ملک کا قانون دوسرے ملک سے اور ایک پارلیمنٹ کا قانون دوسری پارلیمنٹ سے مختلف ہے۔ جو انسانی علم کے تردد و تشکک کی دلیل ہے، لیکن خالق کائنات کا علم مکمل ہے۔ پھر خدا انسانی زندگی کے ہر دور کے خیر و شر کو جانتا ہے۔ خواہ دنیوی زندگی سے متعلق ہو یا برزخ و قبر سے یا آخرت سے، لیکن انسان کو اگر کسی حد تک علم ہے، تو صرف دنیا کا علم اور وہ بھی حال کا علم نہ مستقبل امور کا باقی برزخ و آخرت کے امور وہ تو انسان کی عقل و حواس کے ماوراء اور غائب ہیں۔ لہذا انسانی پارلیمنٹ اگر نفع سمجھ کر سود و قمار کے جواز کا قانون پاس کر دے، تو اس کی نظر سے سود و قمار کے مستقبل کے مہلک اثرات و نتائج غائب ہوتے ہیں اور قبر و آخرت کی جو مضرت ان دونوں چیزوں میں ہوگی، وہ بھی اس کے دائرہ عقل سے خارج ہے، لیکن خالق کائنات جو اصل سرچشمہ قانون ہے صرف اس کا علم تام ان سب پر حاوی ہے۔ اور انسان کے حقیقی نفع و نقصان کو وہی جانتا ہے اور سود و قمار کے مستقبل اور برزخ و آخرت کے تباہ کن اثرات بھی جانتا ہے۔ لہذا اس کا قانون صحیح علم پر مبنی ہے۔

فہم انسانی میں عادت و خواہش کی دخل اندازی

پھر بڑی بات یہ ہے کہ انسانی عقل و فہم میں زیادہ خواہش و عادت کی دخل اندازی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی پارلیمنٹوں کے اعلیٰ تعلیمیافتہ ممبران کی اکثریت ایسے قوانین بنا ڈالتی ہے، جنکی برائی میں کوئی شبہ نہیں، جیسے انگلستان اور کینیڈا کی پارلیمنٹ نے جواز لواطت کا قانون پاس کیا۔ اس کے علاوہ انسان ذاتی مفاد اور قومی مفاد کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، لہذا وہ عمومی مفاد و دیگر اقوام کے ساتھ انصاف کا عملاً حامی نہیں ہو سکتا، جس کی بڑی دلیل دنیا کے سب سے بڑے عالمی ادارہ امن و انصاف کا طرز عمل ہے، جسمیں چھوٹی بڑی سو کے قریب اقوام شامل ہیں، لیکن درحقیقت یہ ادارہ دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں کھلونا بنکر رہ گیا ہے اور آج تک وہ کسی مظلوم قوم کو اس کا حق نہیں دلا سکا، بلکہ اعلان حق تک نہ کر سکا، اس تجربہ کے بعد موجودہ دور کے انسان سے قانونِ انصاف کی توقع سعی لاحاصل ہے۔ اس بڑے عالمی ادارے کا یہ قانون ہے کہ پانچ بڑی طاقتوں کو ویٹو پاور یعنی حق تنسیخ حاصل ہے۔ یعنی ان

پانچ طاقتوں میں سے کوئی ایک بھی اگر ایک مظلوم ملک یا قوم کا مسئلہ زیرِ بحث نہ لانا چاہیئے تو اس پر اس ادارہ میں بحث نہیں ہوسکتی، حالانکہ ظالم اکثر بڑی طاقتیں ہوتی ہیں۔ جب ان کے خلاف کوئی مقدمہ پیش ہی نہیں ہوسکتا، تو مظلوم کی حق رسی کیونکر ممکن ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کی صحیح حقیقت وہی ہے جو مستقل مندوبِ پاکستان سیّد احمد شاہ بخاری نے اپنے طویل تجربے کے بعد اخبار "جنگ" مورخہ ۹ دسمبر ۶۷ء میں شائع کی۔ یہ تقریر انھوں نے ۷ جنوری ۱۹۵۳ء میں کی تھی۔ تقریر یہ ہے کہ اگر اقوامِ متحدہ میں دو چھوٹی قوموں کا تنازعہ درپیش ہو تو وہ تنازعہ اور مقدمہ غائب ہوجائے گا اور اگر تنازعہ ایک چھوٹی اور بڑی قوم کا ہو، تو چھوٹی قوم غائب ہوجائے گی اور اگر تنازعہ دو بڑی قوموں میں ہو، تو خود اقوامِ متحدہ غائب ہوجائے گی۔ یہ ہے دورِ حاضر کی انتہائی تعلیم کے بلند ترین انسانوں کے انصاف اور قانون کا مظاہرہ ؎ قیاس کُن زگلستانِ من بہارِ مرا۔

اس لیے انصاف اور قانون کا سرچشمہ صرف اللہ ہے، جس کا قانون قرآن کی شکل میں محفوظ ہے جس سے قرآن کی عظمت نمایاں ہوجاتی ہے۔ ان الحکم الا للہ قانونِ دنیا صرف خدا کا حق ہے۔ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا۔ اللہ کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے تام اور کامل ہے۔ بقولِ اقبالؒ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
اک وُہی ہے حکمراں باقی بُتانِ آذری

غیرِ حق چوں ناہی و آمر شود ؛ زور ور بر ناتواں قاہر شود

قرآن کی عظمت کے متعلق یورپ کے محققین کی شہادت

(۱) سر ولف لکھتا ہے،

وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، فوجی تنظیم مالیات، غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہیں۔

(۲) ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے۔ قدرت کی عنایتوں نے، جو کتابیں انسان کو دی ہیں، قرآن ان سب سے افضل ہے۔

(۳) ڈاکٹر سموئیل لکھتے ہیں۔ قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کے لیے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔

تاریخ اسلام عبد القیوم ندوی ج ۱ ص ۳۲۷ تا ۳۳۴

(۴) جارج سیل لکھتا ہے۔کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مُردوں کے زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔

(۵) ارمیکسوئل لکھتا ہے، اگر وحی کوئی چیز ہے، تو بلشبک قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔

تاریخ اسلام عبد القیوم ندوی ج ۱ ص ۳۲۷

قرآن کی سیاسی عظمت

قرآن نے اپنے ماننے والوں اور مومنین عالمین کو جو سیاسی قوۃ عطا کی تھی، اس کی نظیر تاریخ بشری میں موجود نہیں، یہ سیاسی قوۃ بخشی قرآن کا سیاسی معجزہ ہے۔ قرآن کا براہِ راست نزول عرب قوم میں ہوا، جو اکثر اقوام عالم سے تعداد میں کم جسم میں کمزور دولت وثروت سے محروم اور علم وہنر سے خالی تھی، نزولِ قرآن کے وقت عرب صرف موجودہ سعودی عرب اور یمن کا نام تھا۔ مصر، عراق، شام فلسطین، اردن، لبنان، طرابلس ٹیونس الجزائر یہ غیر عرب ممالک تھے، جو اسلامی فتوحات کے بعد عرب ممالک بن گئے، دنیا عالم اسباب ہے اور سیاسی غلبہ اور قوت کے لیے آٹھ اسباب مادیہ کا ہونا ضروری ہے، جب ایک قوم دوسری قوم سے ان اسباب کے لحاظ سے فائق ہو تو پہلی قوم دوسری قوم پر سیاسی غلبہ حاصل کرلیتی ہے۔ وہ آٹھ اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ عددی کثرت، اکثر حالات میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد پر فتح پاتی ہے، لیکن عرب قوم کی تعداد دیگر اقوام کی نسبت بہت کم تھی، یہاں تک کہ نزول قرآن کے زمانے میں کل تعداد دو چار لاکھ بالغ افراد سے متجاوز نہ تھی۔

۲۔ دوسری چیز صنعت ہے، تاکہ اس کے ذریعے آلات جنگ اور پوشاک مہیا کی جاسکے۔ لیکن عرب میں نہ کارخانہ تھا، نہ صنعت، یہاںتک کہ عمدہ تلوار ہندوستان سے حاصل کی جاتی تھی

جس کو سَیفِ مُہنّدَ کہتے تھے۔ اور پوشاک شام کے عیسائیوں سے۔

۳۔ تیسری چیز تعلیم ہے۔ سیاسی اقتدار اور نظم و نسق مملکت چلانے کے لیے تعلیم ضروری ہے۔ لیکن عرب امیین یعنی ناخواندوں کا ملک تھا، نہ کوئی مکتب تھا، نہ مدرسہ، نہ کتاب۔

۴۔ چوتھی چیز اتفاق ہے، تاکہ افراد کی منتشر قوت منظم ہو کر ایک ہی مقصد کی طرف متوجہ ہو سکے، لیکن عرب کا ہر قبلیہ دُوسرے کا دشمن تھا، انصار مدینہ کے دو قبلیے اوس و خزرج آپس میں دشمن تھے اور برسہا برس ایک دُوسرے سے لڑتے رہے تھے

۵۔ پانچویں چیز زراعت ہے، تاکہ ضرُوریات زندگی میں ملک خود کفیل ہو سکے اور غذائی ضروریات مہیّا ہوں، لیکن غذا میں عرب غیر اقوام کے محتاج تھے، خرما کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا اور وُہ بھی صرف بعض علاقوں میں تھی، اس لیے قرآن نے حجاز کے متعلّق فرمایا ہے۔ بواد غیر ذی زرع یعنی وہ زمین جو بن کھیتی والی ہے۔

۶۔ چھٹی چیز معدنی دولت ہوتی ہے، نزولِ قرآن کے وقت کے عرب میں کسی معدنی دولت کا وجود نہیں تھا، اَب جو کچھ عرب میں نظر آرہا ہے، وہ دَورِ حاضر کی پیداوار ہے۔

۷۔ ساتویں چیز جسمانی قوّت ہے، عرب گرم ملک تھا۔ ضروری غذا بھی میسّر نہ تھی، پانی کی بھی کمی تھی، سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے نہ ضروری مکانات تھے اور نہ مناسب لباس اکثر آبادی خانہ بدوشوں کی تھی، جو چھولداریوں میں رہا کرتی تھی۔ بیمار ہوتے تو نہ کوئی علاج تھا، نہ مناسب غذا۔ ان حالات میں ان کے اجسام عام اقوام کے مقابلے میں نہایت نحیف کمزور اور ضعیف تھے۔

۸۔ آٹھویں چیز اخلاقی قوّت ہے۔ رُوحانی اور اخلاقی قوت توحید سے حاصل ہوتی ہے، اور یہ اعلیٰ اور پاکیزہ عقیدہ ہی رُوح کو قوت بخشتا ہے، لیکن عرب آبادی پتھّروں کے تراشے ہُوئے بتوں کی پرستش کرتی تھی، جسکی وَجہ سے اخلاقی اور رُوحانی قوت سے بھی محرُوم تھی۔ یہ حالات تھے کہ عرب میں قرآن کا نزول ہُوا۔ مکّی زندگی کے تیرہ سالہ عرصہ میں قرآن کی آواز کفارِ مکّہ کے جور و ستم کی وَجہ سے دَبی رہی۔ کیونکہ قرآن کی دعوت اور اس کا سننا موت کو دعوت دینے

کے مترادف تھا، مدنی زندگی کا اکثر حصّہ غزوات و سرایا کے شغل میں گزرا اور عرب کو قرآن کے قریب آنے کا موقعہ نہ ملا۔ کچھ مدّت صلح حدیبیہ کے بعد اور کچھ فتح مکّہ کے بعد ایسی ہے، جو چار پانچ سال سے زیادہ نہیں کہ قرآن کو عرب پر اثر اندازی کا موقعہ ملا، لیکن ہوا کیا۔ ہوا یہ کہ عرب بعد القرآن کو عرب قبل القرآن سے کوئی نسبت ہی نہیں رہی۔ اتنی کم مدّت میں قرآن نے عرب کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ عرب کو قرآن نے ایسا فیض بخشا کہ وہ ایک ایسی قوم بن گئی، جو تنظیم اتحاد اخلاق بلند خیالی، اولو العزمی، ایثار، قربانی، خدا پرستی، شجاعت، سخاوت، قناعت، عفت، پاکدامنی، عدل و انصاف، امانت و دیانت میں بے مثال ہو۔ اسی طرح جہانگیری و جہانبانی میں بھی بے نظیر ہوگئی۔ رحمت و شفقت، عقل و تدبیر، پابندئ عہد و قول راست بازی میں کوئی قوم ان کی ہمسر نہ پہلے گزری اور نہ آئندہ ممکن ہے، یہاں تک کہ انسانیّت کی پوری تاریخ ان کے اخلاق اور خوبیوں کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان آٹھ کمزوریوں کے باوجود جو اب ہم نے ذکر کیں، انھوں نے بیک وقت دنیائے شرق و غرب کے دو عظیم متمدّن اور ہزاروں سال کی مستحکم سلطنتوں (کسریٰ و قیصر) سے ٹکر لی اور ان دونوں عظیم حکومتوں کو غبار بنا کر رکھ دیا، ان میں سے ہر حکومت دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ معجزانہ اور اسباب مادیہ کے خلاف سیاسی غلبہ جو عرب کو حاصل ہوا جس کی طوفانی موجیں، شرق میں کاشغر اور دیوار چین سے ٹکرائیں اور مغرب میں مراکش، الجزائر، ہسپانیہ اور فرانس تک پہونچیں۔ اس کے اسباب یا مادی ہوں گے یا روحانی وغیبی۔ پہلا سبب، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، عرب کو حاصل نہ تھا، بلکہ عرب کی حریف اور دشمن طاقتوں کو حاصل تھا تو مجبوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ روحانی قوت کا کرشمہ تھا، جو قرآن کے فیض سے عرب کو حاصل ہوا۔ جس سے قرآن کی سیاسی عظمت و تفوق بخشی ہوئی۔ اس کی مقناطیسی قوّت تاریخی واقعات سے مدلّل طور پر ثابت ہوگئی ■■

فتنوں کی سرکوبی

اولٰئک ھم الراشدون

"خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

—— قسط : ۸ ——

شیخ الحدیث حضرۃ علامہ مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ

سعید بن العاص کون تھے؟

مودودی صاحب کی خوردبین بہت ہی تیز ہے کہ جو چیز کسی اور کو نظر نہیں آتی وہ ان کا مطمحِ نظر اور موضوع کلام بن جاتی ہے۔ اور آپ کو اس پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات جن کو چشمِ کور بھی محسوس کر سکتی ہے، مودودی صاحب کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ (حبک الشیٔ یعمی ویصم۔)

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مودودی صاحب عربی نہیں جانتے اور کتبِ تاریخ پڑھ نہیں سکتے البتہ یہ واقعہ ہے کہ مودودی صاحب صرف وہی پڑھتے ہیں جو ان کے منصوبہ کے مناسب ہوتا ہے۔ اور اسی پر تمام تحریر اور تقریر کی بنیاد قائم کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب کو حضرت سعیدؓ کے متعلق صرف یہ نظر آیا۔ "اپنے عزیز" — ص: ۱۰۷،

"سعید بن العاص اور عبداللہ بن عامر چھوٹے چھوٹے عہدوں پر رہے تھے"۔ ص ۳۲۴

لیکن مودودی صاحب کے مستند ترین امام تاریخ ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جنگ طبرستان میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ نوجوان صحابہ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص جیسے جلیل القدر حضرات ان کے ساتھ ان کے زیر کمان تھے۔

معرکہ اتنا سخت ہوا کہ صلوٰۃ الخوف پڑھنی پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان فتح عطا فرما دی۔ (تاریخ طبری ص ۵۷ ج ۵)

یہ بھی طبری ہی کا بیان ہے کہ ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ پروان چڑھایا تھا۔ ان کے باپ غزوۂ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔ ایک روز حضرت عمر فاروق کو اپنے دورِ خلافت میں قریش کے خاندانوں کا خیال آیا۔ تو دریافت کیا کہ عاص بن سعید کے بچے کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان تینوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لے گئے تھے انہیں کے پاس ہیں۔ مگر بہت پریشان حال ہیں۔ اور سعید تو بیمار بھی ہیں۔ ان کی زندگی کی بھی امید نہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو شام سے بلوایا۔ مدینہ کی طرف چلے تو خدا نے کیا ان کا مرض بھی جاتا رہا جب مدینہ پہنچے تو تندرست تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پاس رکھا۔ ان کا نکاح کرادیا۔ پھر لم یمت عمر حتی کان سعید من رجال الناس۔ سعید ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے۔ (پروان چڑھ گئے) تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (طبری ص۶۳ جلد ۵)

ذیل کے واقعہ سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شفقت اور دلداری اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز ذہانت اور حاضر جوابی کا اندازہ ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا غزوات میں جو مشرک مارے گئے اگرچہ ان کے متعلق کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے مگر اتنی بات ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگرچہ غزوۂ بدر میں میں نے عاص کو قتل کیا تھا مگر وہ تمہارے باپ عاص بن سعید نہیں تھے بلکہ میرے ماموں عاص بن ہشام تھے اُن کو میں نے قتل کیا تھا۔ (تمہارے باپ کو میں نے قتل نہیں کیا)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا لو قتلتہ لکنت علی الحق۔ اگر آپ نے قتل کیا ہوتا تب بھی آپ پر الزام نہیں کیونکہ یہ حق و باطل کی جنگ تھی۔ آپ حق کے لیے لڑ رہے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریش کو خاص ذہانت عطا فرمائی ہے۔ (الاستیعاب: ص۵۵۵)

حافظ ابن عبد البر بھی وہ ہیں جن کو مودودی صاحب اسلام کا مستند ترین مؤرخ قرار دیتے ہیں (ص۳۱۴ خلافت و ملوکیت)

حافظ صاحب کے الفاظ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ہیں۔ احد اشراف قریش

ممن جمع السخاء والفصاحة واحدا لذین کتبوا المصحف لعثمانؓ۔ قریش کے عمائدین میں سے تھے وہ صاحبِ کمال کہ خدانے ان کو جذبۂ سخاوت بھی عطا فرمایا تھا اور فصاحت و بلاغت (خطابت) میں بھی کمال رکھتے تھے۔ جن حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قرآن شریف کی نقلیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ (الاستیعاب، ص: ۵۵۵)

اب اس کے بعد پاک نفسی اور سلامتیٔ طبع بھی ملاحظہ ہو۔ کہ معزول ہونے کے بعد کسی جھگڑے میں نہیں پڑے۔ اپنے مکان پر رہے۔ جمل اور صفین کی لڑائیاں ہوئیں مگر یہ کسی میں شریک نہیں ہوئے۔ البتہ جب تمام قصے ختم ہو گئے اور حضرت معاویہؓ کی امامت پر سب کا اتفاق ہو گیا تب مدینہ کی گورنری منظور کی۔ (ایضاً، ص: ۵۵۵)

عجیب بات یہ ہے کہ مستند ترین مؤرخین نے جو باتیں فرمائیں حضرت مودودی صاحب کو ان میں سے کسی کی خبر نہیں۔ صرف وہ بات یاد ہے جو کسی مؤرخ نے تحریر نہیں کی۔ کہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے۔

اگر مودودی صاحب کو توفیق ہوتی اور وہ حضراتِ صحابہؓ کی عیب جوئی کے بجائے انصاف سے کام لیتے۔ تو عزیز داری کے طعن کو قطعاً غلط اور بے محل سمجھتے۔ کیونکہ کوئی بھی قریشی ایسا نہیں تھا جس کا کوئی رشتہ دوسرے سے نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جب قریش میں نکاح بیاہ آپس میں ہوتے تھے اور صرف ایک نہیں بلکہ چار چار اور اسلام سے پہلے اس سے بھی زیادہ نکاح کر لیا کرتے تھے تو قریش کا کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کا کسی دوسرے سے رشتہ نہ ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ قریش کے ہر ایک بطن اور خاندان سے رشتہ داری تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر قل لا اسئلکم علیہ من اجرالا المودۃ فی القربیٰ۔) حضراتِ مورخین محض تعارف کے لیے رشتہ بیان کر دیتے ہیں۔ مودودی صاحب کی مسموم ذہنیت اس تعارف کو طعن بنا دیتی ہے۔ (معاذ اللہ) =

اگلے شمارہ میں

بالاقساط شائع ہونے والے مضامین کی اگلی قسطیں، نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہم کا "معراج رحمۃ للعالمین" کے موضوع پر ایک طویل تحقیقی مضمون اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی تعریف میں کہا ہوا مولانا عبد المنان دہلوی کا عربی قصیدہ

ملاحظہ فرماویں

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سابق ریاست بہاولپور کے مقتدر عالمِ دین، مفتی، محدث، مفسر، اعلیٰ درجہ کے خوشنویس، اردو، فارسی عربی اور سرائیکی کے قادر الکلام اور صاحبِ دیوان شاعر، اپنے وقت میں ریاست کے بلندپایہ سیاسی و مذہبی قائد شیخِ وقت حضرۃ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید اور خاص دوست امیرِ کبیر حضرۃ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کی اولاد کے جو مختلف قافلے وادیٔ کشمیر سے نکل کر مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے، ان ہی میں سے ایک قافلہ" ساداتِ ہمدانیہ خیرپور" کے ایک جلیل القدر بزرگ حضرۃ علامہ سید محمد زمان شاہ نیازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱۲۷۲ھ تا ۱۳۵۳ھ) آپکے اردو دیوان میں سے ایک نعت بطورِ تبرک و یادگار" انوارِ مدینہ" کے لیے ارسال ہے۔ (محمد یحییٰ ہمدانی)

اپنے شفیع پہ کرتا ہوں میں جان فدائیاں　　محشر کے دن سُنے گا، جو میری دہائیاں

عصیاں کے بحرِ ژرف کا خطرہ نہیں رہا　　احمدؐ سے اب ہوئی ہیں میری آشنائیاں

بیٹھے ہوئے مدینہ میں دل لوٹتے ہے یہاں　　دلبر مرے کی دیکھو ذرا دلربائیاں

عشقِ نبیؐ میں جاتی رہی ہم سے سب خودی　　آنے لگی نظر ہیں خدا کی خدائیاں

یارب نصیب ہوجے لقائے نبیؐ شتاب　　سہتا نہیں، یہ قلبِ حزیں اب جدائیاں

اے صاحبِ وفا و کرم ہاشمی نبیؐ!　　تیرا فراق کرتا ہے مجھ سے بُرائیاں

حلقہ بگوش تیرے عرب کے فصیح ہوئے　　سُن لیں انھوں نے جب تری یہ خوش ادائیاں

دونوں جہاں بھی قیمتِ دنداں نہ ہوسکیں　　سمجھوں میں تیرے موتیوں کی بے بہائیاں

دم کا بقا نہیں مجھے دم بھر میں لو بلا　　ناگہ فلک کرے نہ کہیں بے وفائیاں

صلِّ علیٰ وظیفہ، دمِ واپسیں پہ ہو　　لینا خبر، کروں نہ کہیں ژاژخائیاں

اپنی برائیوں کا نیازی نہ فکر کر
وہ ہے بھلا، ضرور کرے گا بھلائیاں

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ

انوارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرۃ مولانا بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہٗ خلیفہ مجاز حضرۃ لاہوری رحمہ اللہ

حضرت علی بن حکم اور معاویہ بن حکم

یہ دونوں غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ علی بن حکم نے گھوڑا آگے بڑھایا تو اچانک ان کا گھٹنا خندق کی دیوار سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر ٹوٹے ہوئے گھٹنے پر مبارک ہاتھ پھیرا۔ دست مبارک کی برکت سے اسی وقت ٹوٹا ہوا گھٹنا بالکل ٹھیک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے صحتِ کاملہ مرحمت فرمائی۔

(اصابہ، ج: ۲، ص: ۵۰۰)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت اس وقت ہوئی۔ جب کہ آنحضرت کی عمر مبارک تیس برس کی تھی یہ حضور کے چچازاد بھائی اور داماد بھی ہیں۔ بالغ ہونے سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ہجرت کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر سونے کا حکم فرمایا۔ اور مخالفین کی امانتیں جو جناب کے پاس تھیں۔ حضرت علی کے حوالے کر کے فرمایا۔ یہ امانتیں مالکوں کے حوالے کر کے مدینہ عالیہ پہنچ جاویں۔ ہجرت کے وقت حضرت علی کی عمر تقریباً تئیس برس کی تھی۔ جب مدینہ عالیہ میں مہاجرین اور انصار میں رشتۂ اخوت جاری کیا گیا۔ تو حضور علیہ السلام نے انہیں اپنا بھائی بنایا۔

پہلا نکاح ہجرت کے دوسرے سال ان کا پہلا عقدِ نکاح خاتون جنت سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا کے ساتھ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے چار بچے عطا فرمائے (حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ۔ بی بی زینب۔ بی بی ام کلثوم حضرت زینب نکاح حضرت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا۔ اور حضرت سیدہ ام کلثوم کا پہلا نکاح سراج اہل الجنت حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضرت امیر عمر کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کا دوسرا نکاح اپنے بھتیجے محمد بن جعفر سے کر دیا۔ (اس موضوع پر مصنف کا رسالہ داماد نبی و داماد علی جو نہایت مکمل و مفصل قابل دید ہے

حضرت علیؓ نے حضرت خاتون جنت کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حضرت خاتون جنت کی وصیت کے مطابق امامہ بنت زینب دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ حضرت امامہ کے بطن مبارک سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ کا تیسرا نکاح اس خاتون سے ہوا جس کا نام فاطمہ تھا اور خاندانی تعلق بنو حنیفہ کے قبیلہ سے تھا۔ یہ مسیلمہ کذاب کے گروہ میں تھیں۔ مسیلمہ کے مارے جانے کے بعد یہ بی بی بھی قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں لائی گئیں۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باندی کے حُسن صورت اور حُسن سیرت اور عقل مندی کو دیکھتے ہوئے علی المرتضیٰ کے حوالے کر دیا۔ اس بی بی کے بطن سے وہ فرزند پیدا ہوئے۔ جو محمد بن حنیفہ کے نام سے مشہور ہیں۔ سیدنا حضرت حسنؓ سیدنا حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت علیؓ کے سولہ فرزند تھے ان سب میں سے عمر میں بڑے یہی محمد بن حنفیہ تھے۔ حضرت علی نے جب شہادت پائی تو آپ کی چار عورتیں انیس لونڈیاں باندیاں اٹھارہ لڑکے، اٹھارہ لڑکیاں تھیں۔ تمام غزوات میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ صرف غزوۂ تبوک میں حضور علیہ السلام والصلوٰۃ نے شہر کی انتظامی ضرورتوں کے لئے انہیں مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا۔ دشمنانِ اسلام نے طرح طرح کے طعنے دینے شروع کئے۔ حضرت علیؓ ان کی طعنہ زنی سے آزردہ خاطر ہو کر حضور علیہ السلام کو جا ملے۔ دشمنانِ اسلام کے اعتراضات اور خرافات کا ذکر کر کے درخواست کی کہ مجھے بھی میدانِ جنگ میں جانے کی عزت بخشی جائے۔ جناب نے یہ سن کر فرمایا:

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ۔۔ ترجمہ تو میرے لیے اس طرح ہے۔ جس طرح موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں

کہ ہارون علیہ السلام تو بھائی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ اور اللہ کے رسول بھی تھے۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جا رہے تھے۔ تو اس دور کے لیے انہیں اپنا جانشین بنایا۔ اور میں جہاد کے لئے جا رہا ہوں اور آپ کو خانگی ضرورتوں کے لیے اپنی واپسی تک نیابت بخشی ہے۔ لیکن تم نبی نہیں ہو اور نہ ہی میرے بعد کوئی نبی بن سکتا ہے۔

معجزہ خیبر کی جنگ میں حضرت علی کی ایک آنکھ بیمار ہوگئی۔ آنکھ میں سرخی اور شدت کا درد ہوگیا زور سے پانی بہنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی دکھتی آنکھ میں ڈال دیا۔ اسی وقت درد ختم۔ پانی بند۔ اور سرخی غائب ہوگئی۔ بلکہ زندگی کے آخری لمحات تک نہ یہ آنکھ کبھی بیمار ہوئی اور نہ معمولی دکھ درد ہوا۔ بلکہ اس آنکھ کی بینائی آخری سانس تک دوسری آنکھ کے مقابلہ میں نہایت ہی تیز رہی۔ حضرت امیر عثمان رضی کی شہادت کے بعد انہیں مدینے والوں نے خلافت کے لئے منتخب کیا۔ لیکن حضرت امیر عثمان کے قصاص کے معاملہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے اختلاف ہوا۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل اور ۳۷ھ میں جنگ صفین ہوئی۔ ۴۰ھ میں ۱۲ رمضان المبارک کو جب رات بھر جاگنے کے بعد صبح سویرے نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ تو دروازہ میں بدبخت ابن ملجم نے قاتلانہ حملہ کر کے جہنم خرید لیا۔ اور حضرت امیر باتوقیر شہید ہو کر جنت الفردوس میں پہنچے۔ چار برس آٹھ ماہ پندرہ دن خلافت کے فرائض انجام دیکر ۴۰ھ میں شہادت پائی۔

(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۱)

امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی کے دیگر حالات

جناب کی زندگی نہایت ہی سادہ تھی۔ اگرچہ چار بیویاں اور انیس لونڈیاں اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں گھر میں تھیں۔ لیکن اتنے بڑے کنبہ کے باوجود موجودہ سکہ کے مطابق ان کی تنخواہ ۱۲۵ روپے ماہانہ تھی۔ سخاوت میں ان کا مقام نہایت بلند تھا۔ عدل و انصاف میں یکتائے زمانہ تھے۔

عدل کی مثال ایک دفعہ عید کے دن جب گھر تشریف لے گئے۔ تو اپنی بیٹی کے گلے میں طلائی مالا دیکھی۔ دختر سے دریافت فرمایا۔ یہ کہاں سے لی ہے؟ بیٹی نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔ کہ اباجان عید منانے کے لیے بیت المال کے خزانچی سے مانگ کر لی ہے جب خزانچی سے دریافت کیا گیا۔ تو اس نے بھی یہی کہا۔ کہ مجھ سے صرف عید منانے کے لیے مانگ کر لی ہے۔ حضرت امیر باتوقیر نے فرمایا۔ اگر مجھے

صحیح اور سچا ثبوت پہنچتا۔ کہ یہ بیت المال سے چرائی گئی ہے۔ تو آج پہلا دن ہوتا۔ امیر المومنین کی دختر کا ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹا جاتا۔

ایک دفعہ انتظامیہ کا بہت بڑا افسر جناب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کسی ضرورت کے لیے اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ تو اس افسر نے ایک تھیلی دیکھی۔ جو مضبوط بندھی ہوئی سیل کی ہوئی تھی۔ جب امیر واپس تشریف لائے۔ تو اس نے دریافت کیا۔ کہ جناب والا! اس تھیلی میں کیا بندھا ہوا ہے۔ فرمایا۔ کہ اس میں جو کے ستو ہیں۔ یہ میری سحری اور افطاری کی خوراک ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود حق اور صداقت کے دلدادہ تھے اور حق و صداقت پسندوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے قتل کا مقدمہ پیش ہوا۔ پولیس نے مقتول کی لاش کے ساتھ دو قاتل ایسے پیش کیے کہ ان میں سے ہر ایک کا یہی بیان تھا کہ قاتل صرف میں ہی ہوں۔ حضرت علی المرتضیٰ بہت حیران ہوئے کہ ہر ایک قتل کا مدعی ہے۔ ان میں سے کس کو بری کیا جائے اور کس کو سزا دی جائے۔ حضرت امیر نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی مکمل داستان صاف صاف بیان کرو تا کہ ہم کسی نتیجہ پر پہنچ کر صحیح فیصلہ کر سکیں۔ ایک ملزم کا بیان" ایک ملزم نے کہا کہ حقیقتاً قاتل میں ہی ہوں دوسرا ملزم بالکل بے گناہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے مقتول کو قتل کرنے کے بعد فرار کا راستہ اختیار کیا اور اس میں کامیاب ہو گیا۔

دوسرے ملزم کا بیان۔ دوسرے نے کہا۔ اے امیر المومنین واقعہ یہ ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں حقیقت یہ ہے کہ میں نے ایک جانور ذبح کیا بعد میں مقتول کی لاش کو سڑک پر تڑپتے دیکھ کر قریب پہنچا۔ پولیس نے خون آلودہ چھری میرے ہاتھ میں دیکھی اور میرے سوا مقتول کے پاس کوئی بھی نہ تھا اس لیے پولیس نے مجھے ملزم بنا کر گرفتار کر لیا۔ میں انکار کر کے گرفتاری سے نہیں بچ سکتا تھا اس لیے اقبال جرم کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

پہلا ملزم۔ پہلے ملزم نے اپنے بیان میں کہا کہ پولیس نے مجھے گرفتار نہیں کیا لیکن میں نے دوسرے ملزم کو گرفتاری میں دیکھ کر یقین کیا کہ اسے سزائے موت ہو جائے گی۔ اور اس بے گناہ کے قتل کا عذاب

بھی مجھے بھگتنا پڑے گا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں صرف ایک ہی قتل کا مجرم رہوں۔ اور دوسرے جرم سے بچ جاؤں۔ واقعی یہ بے گناہ ہے اور میں اکیلا قاتل ہوں۔

مقدمہ کا فیصلہ ۔ ۔ ۔ معاملہ واضح ہوگیا اور ایک کو سزائے موت ہونی یقینی تھی اور دوسرے کا بری ہونا بھی یقینی تھا۔

سیدنا حضرت حسن بن علیؓ کا بیان ۔ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اگر اس ملزم نے ایک جان ضائع کی ہے تو سچ کہہ کر دوسرے کی جان کی حفاظت بھی کی ہے۔ اس لیے اس حق گوئی پر اس کو کچھ معاوضہ ملنا چاہیے۔ تاکہ باقی لوگ بھی خطرناک ماحول میں سچ کہنے کی جرأت کر سکیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سوال ۔ حضرت امیر نے دریافت کیا پھر اب کیا کیا جائے ۔

حضرت امام حسنؓ ۔ سیدنا حضرت حسنؓ نے فرمایا اگر مقتول کے ورثا قاتل سے خون کا بدلہ بصورت مال لینے پر راضی ہو جائیں تو آپ انہیں اپنی جیب سے خون بہا (دیت) دیکر راضی کر دیں اور قاتل کو بری کر دیں۔ اس مشورہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی جیب سے ورثا کو خون بہا ادا کر کے ملزم کو بری کر دیا۔ دونوں ملزم حق اور صداقت کا یہ نمونہ دیکھ کر اپنی زبان حال سے اسلام کے عدل و انصاف سے سرشار شاداں چلتے بنے۔

(باقی آئندہ)

خلیق و دیانتدار عملہ
بہترین و با رعایت طباعت
المکہ پریس
۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

جواہر الحدیث

مولانا محمدؐ عارف صاحب ایم اے
و
قاری فیوض الرحمن صاحب ایم اے

ظلم سے حاصل کردہ زمین کا وبال

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔

جس نے لی بالشت بھر زمین ظلم سے پس بے شک اسے طوق پہنایا جائے گا۔ دن قیامت کے سات زمینوں سے۔ (بخاری و مسلم عن سعید بن زید رضؓ)

بعض زمینداروں اور کسانوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کی زمین کا کچھ نہ کچھ حصّہ دبا لیتے ہیں۔ بعض اوقات کسان اپنی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اپنے مکان کو وسیع کرلیا، زمین کو وسیع کرنے کے لیے حد بندی توڑ دی۔ یہ ظلم ہے۔ جس شخص نے اس طرح کسی کی بالشت بھر زمین دبالی تو ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں قیامت کے دن ڈالا جائے گا۔

اندازہ کیجیے! یہ ضعیف انسان جو زمین من مٹی اٹھانے کے قابل نہیں۔ سات زمینیں اپنی گردن میں کیسے برداشت کرے گا۔ کتنا ظلم ہے، اپنے نفس پہ کہ تھوڑی سی زمین کو حاصل کرنے کے لیے ساتوں زمینوں کا طوق قبول کر لیا!

اپنے بھائی کی مدد کرو

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا، اِنْ يَّكُ ظَالِمًا فَارْدُدْهُ عَنْ ظُلْمِهٖ وَاِنْ يَّكُ مَظْلُوْمًا فَانْصُرْهُ۔

(الدارمی عن جابر رضؓ)

مدد کر اپنے بھائی کی ظالم ہو یا مظلوم، اگر ہو ظالم تو ہٹا دے اسے اس ظلم سے

اور اگر ہے مظلوم تو اس کی مدد کر۔

اپنے مسلمان بھائی کی مدد ضروری ہے۔ اگر ظالم ہے پھر بھی اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اور اگر مظلوم ہے تب بھی اس کی مدد ضروری ہے۔ بظاہر حیرت ہوتی ہے کہ مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے، لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے۔ تو وہ طریقہ بھی بتا دیا گیا کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکو۔ یہ اس کی مدد ہے۔ اور مظلوم کی مدد تو ظاہر ہے کہ اس سے ظلم دور کر دو۔

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ پھر ظلم پر ظلم یہ ہے کہ خاندان کے لوگ ظالم کی حمایت اور پشت پناہی کرنے لگتے ہیں۔ اس کے دوست ظلم پہ اس کا تعاون کرتے ہیں۔ یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ یہ ظالم کی مدد نہیں، بلکہ اسے جہنم کی طرف دھکیلنا ہے اور خود بھی اللہ کے عذاب کا شکار بننا ہے۔ مظلوم کی آہ ظالموں اور ان کے حامیوں کو آخر کار تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

پس ظالم کی مدد یہ ہے کہ ظلم سے روک دیا جائے۔ اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے روکا جائے۔ یہ اس کی مدد ہے تاکہ مظلوم کی بددعا سے اور آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ ہو جائے۔ اور مظلوم کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا جائے۔ جہاں تک حمایت کر سکتا ہو کرے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ حمایت قانون اور شریعت کے دائرے میں ہو۔ ایسی حمایت نہ کرے جس سے فسادات بڑھنے لگیں۔

مومن، طعّان، لعّان اور بدزبان نہیں ہوتا

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ ———— (ترمذی، عن ابن مسعودؓ)

نہیں ہوتا مومن طعنہ دینے والا اور نہ لعنت کرنے والا اور نہ فحش گو اور نہ گندہ زبان۔

مومن نہ لوگوں کو طعنہ دینے والا ہوتا ہے۔ نہ لعنت کرنے والا اور نہ ہی بدزبانی کرنیوالا

ہوتا ہے۔

طعّان، طعن سے ہے۔ اور طعن کا معنی ہے نیزہ مارنا۔ علماء نے لکھا ہے کہ "دو نیزوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں مگر زبان کے زخم ٹھیک نہیں ہوتے"۔

کسی کی ذات پر، کسی کے نسب پر طعنہ دینا اسے ایذا پہنچانا ہے اور یہ مومن کا شیوہ نہیں۔ طعنہ دینے والا آخر اسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ جس پر کسی کو طعنہ دے۔ اسی طرح مومن "لعّان" بھی نہیں ہوتا، لعن کا معنے ہے اللہ سے دوری کی بددعاء دینا۔ مومن دعاء دیتا ہے رحمت کی، نہ کہ رحمت سے بُعد کی۔ لعنت کا لفظ مومن کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔ مومن فحش گو اور بدزبان بھی نہیں ہوتا۔ اسے زبان پر کنٹرول ہوتا ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ: "جو شخص شرم گاہ ------ اور زبان کی ضمانت دے۔ یعنی دونوں کو حرام سے محفوظ رکھے۔ میں اسے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔ زبان کی بے احتیاطی انسان کو جہنم میں پہنچانے کا باعث ہوگی۔ پس مومن طعّان، لعّان اور بدزبان نہیں ہوتا۔

کسی بھلائی کو حقیر نہ سمجھو

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ ——— (مُسلم، عن ابی ذرّ رض)

نہ حقیر جان نیکی سے کسی چیز کو اور چاہے ملے تو اپنے بھائی سے کشادہ چہرے کے ساتھ

کسی بھی نیکی اور بھلائی کو ہرگز حقیر نہ سمجھو، خواہ بظاہر چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ دکھائی دے۔ ہو سکتا ہے اخلاص نیت کی وجہ سے اللہ پاک اس بھلائی کو قبول فرما کر مغفرت کا سامان بنا دیں۔ ایک بدکار عورت کی مغفرت محض اس وجہ سے ہو گئی کہ اس نے کسی پیاسے جانور کو پانی پلا دیا تھا۔

ایک بزرگ کا واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

"مرنے کے بعد کسی کو خواب میں نظر آئے۔ پوچھا کیا معاملہ ہوا؟ تو فرمایا اللہ تعالےٰ نے اس بات پر مغفرت فرما دی کہ ایک دفعہ ایک کانپتی اور ٹھٹھری ہوئی بلّی کو گرم بستر میں اپنے

ساتھ سلایا تھا"۔

نیکی کسی درجہ میں ہو قابلِ قدر ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملتا ہے تو یہ بھی نیکی ہے۔ خندہ پیشانی سے جب بھائی سے ملے گا تو وہ خوش ہوگا۔ اس کی خوشی سے اللہ پاک کو خوشی ہوگی۔ پس نہ کسی گناہ کو صغیرہ (چھوٹا) سمجھ کر ارتکاب کرے اور نہ ہی کسی بھلائی کو حقیر سمجھ کر عمل سے باز رہے۔ چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بچنے کی کوشش کرے اور معمولی سے معمولی بھلائی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دے۔

بدگمانی، رازجوئی اور عیب جوئی وغیرہ سے بچو

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔

بدگمانی سے بچتے رہو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور کسی کی رازجوئی نہ کرو اور نہ جاسوسی کرو اور قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ دو اور ایک دوسرے کے لیے بغض نہ رکھو اور باہم منہ نہ موڑو اور ہو جاؤ اللہ کے بندو بھائی بھائی۔ (متفق علیہ عن ابی ھریرۃ رض)

بدگمانی سے بچتے رہو کہ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ عموماً چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بدگمانی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ بغیر تحقیق غلط باتیں پھیلادی جاتی ہیں۔ اس لیے اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو"۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا: کسی کے راز تلاش نہ کرو، اس سے بھی فتنہ اور فساد پھیلتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کے عیوب تلاش کرو۔ مسلمان کو مسلمان کی پردہ پوشی کا حکم ہے۔ پردہ دری سے روکا گیا ہے۔ خطا کون نہیں کرتا۔ عیب کس میں نہیں ہیں۔ انبیائے کرام کے بغیر معصوم کون ہے۔ اپنے گناہوں پر نگاہ رہنی چاہیے۔

اسی طرح کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے اور محض قیمت بڑھانے کی خاطر بولی نہ دو۔ یہ دھوکہ

ہے۔ حقیقتہً خریدار نہیں، مگر ظاہر کرتا ہے کہ خریدار ہے۔

ایک دوسرے سے بُغض اور کینہ نہ رکھو۔ مسلمان کا دل تو آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہونا چاہیے۔ اور باہم منہ بھی نہ موڑو۔ نفرت اور عداوت کی حالت میں جونہی آمنا سامنا ہوا، جانبین سے منہ موڑ لیے جاتے ہیں۔ یہ ناراضگی اور عداوت کی علامت ہے۔ حدیث کے آخری جُملے میں تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی چارے کا حکم دیا گیا ہے۔ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ اگر اس حدیث پر عمل ہو تو دنیا جنّت کا نمونہ بن جائے۔

امانت دار تاجر

اَلتَّاجِرُ الْاَمِیْنُ الصَّدُوْقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّھَدَآءِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (المستدرک للحاکم عن ابن عمرؓ)

تاجر امانت دار سچّا مسلمان، ساتھ شہداء کے ہوگا دن قیامت کے۔

امین سچا مسلمان تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا۔ جو تاجر کاروبار میں نہایت دیانت دار اور صداقت شعار ہوتے ہیں۔ یہ اجر ان کے لیے ہے۔ المسلم کی شرط نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ کتنی ہی دیانت داری ہو اور خواہ کتنی ہی سچّائی ہو جب اسلام نہیں تو سب صلاحیتیں بیکار ہیں۔ کافروں کے نیک اعمال کا آخرت میں کوئی اجر نہیں ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا۔

تجارت سے رزقِ حلال نصیب ہوتا ہے، تجارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ عموماً تاجروں کی کمائی میں برکت ہوتی ہے۔ متعین اور محدود آمدن نہیں ہوتی اور پھر آخرت میں شہداء ——— (جو کہ بہت بلند مراتب رکھتے ہیں) کی رفاقت نصیب ہوگی اور اگر خدانخواستہ دیانت داری اور سچائی تجارت میں نہ ہو تو وبال ہے دنیا میں حق تعالیٰ برکات اٹھا لیتے ہیں۔ امن وسکون چھین لیتے ہیں اور جھوٹ، بددیانتی، ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ سے جو انسانوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کا بوجھ بھی ان تاجروں ہی پر پڑے گا۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ۔ بالفرض اگر دنیا میں چند دن عیش و

آرام کے مزے لے بھی لیے، انجام کار ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے۔

دو مختصر، پیارے اور وزنی کلمات

کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

دو کلمے (ایسے ہیں جو) ہلکے ہیں زبان پر بھاری ہیں ترازو میں محبوب ہیں رحمٰن کو سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ (متفق علیہ عن ابی ہریرۃؓ)

دو کلمے جو زبان پر نہایت آسان ہیں، مختصر ہیں، قیامت کے دن ترازو میں بھاری ہوں گے یہ کلمات اللہ کو بہت پیارے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

میزان میں بھاری ہیں۔ قیامت کے دن ایک ترازو رکھا جائے گا، جس میں اعمالِ انسانی کا وزن ہوگا۔ اگر اعمالِ خیر کا پلڑا بھاری ہوا تو کامیابی ورنہ ناکامی ہے۔ ہمارے اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟ ہمارے اعمال اس وقت کہاں ہوں گے؟ یہ وسوسے انسانی ذہن میں آسکتے ہیں۔ اور خصوصاً مادہ پرست یہ خیالات دل میں لا سکتا ہے، لیکن معمولی سوچ و بچار سے کام لیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ جب حرارت و برودت کا تھرمامیٹر کے ذریعے اندازہ ہو سکتا ہے، ٹیلیفون کے ذریعے باتیں کس طرح دور دراز تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ٹیپ ریکارڈر میں الفاظ کیسے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

انسان جو حقیر پانی کے قطرے سے پیدا ہوا اگر ایسی ایجادات پر قادر ہے، تو احکم الحاکمین، زمین و آسمان بلکہ پوری کائنات کا خالق اس بات پر قادر نہیں کہ اپنے بندوں کے اعمال کو محفوظ کرالے اور قیامت کے دن ترازو قائم کر کے ان کا وزن ظاہر فرما دے۔

پس عقائد و اعمال کا وزن ہوگا۔ کامیاب ہیں وہ انسان جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ حدیث شریف میں وہ مقدس کلمات بیان فرمائے گئے ہیں، جو آسان ہیں۔ اللہ کو بہت پیارے ہیں اور میزان میں بھاری ثابت ہوں گے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ ۱۲

منکرِ حدیث کو شکست

بستی نوشہرہ (ضلع بہاولنگر) میں ایک منکرِ حدیث نے ایک عرصہ سے اپنے غلط نظریات اور خود ساختہ دین کا پرچار شروع کر رکھا تھا بستی کے مسلمانوں نے اس کی اِس حرکت سے تنگ آکر "مجلس مرکزیہ تحفظِ ختمِ نبوت"، کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے درخواست کی۔

چنانچہ مناظرِ اسلام حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر مدظلہٗ العالی اس منکرِ حدیث سے مناظرہ کرنے بستی نوشہرہ تشریف لے گئے۔ مناظرہ کی تمام شرائط منکرِ حدیث ہی کی مرضی سے طے پائیں (جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ دلائل صرف قرآن ہی سے پیش کئے جائیں گے۔) ۱۰ ر جولائی کو "حجیت حدیث" کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ منکرِ حدیث نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جتنے بھی دلائل پیش کئے۔ حضرت مولانا نے ان کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اور اس کے تمام سوالات و اعتراضات کا مسکت و دندان شکن جوابات دے کر اسے حواس باختہ کر دیا۔ لیکن اُس سے مولانا کی کسی بھی دلیل اور اعتراض کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور ایسی زبردست شکست ہوئی کہ جو اسے قیامت تک بھلائے نہ بھولے۔

آخر میں صدرِ مجلس مناظرہ نے اعلان کیا کہ حق واضح ہو گیا ہے۔ عوام صحیح فیصلہ پر پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے اب مناظرہ ختم کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ اس اعلان کے ساتھ ہی مناظرہ ختم ہو گیا۔

نوشہرہ کے مسلمان حضرت مولانا مدظلہٗ کی اس عدیم المثال کامیابی و کامرانی پر بے حد شادمان تھے۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اور دل و جان سے مولانا کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

حضرت مولانا نے ایک بیان میں فرمایا ہے کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس مناظرہ کا تفصیلی حال قلمبند کروں گا۔

انوار مدینہ میں اشتہار دیکر تجارت کو فروغ دیجیے۔

ذکرُ الأجلّاء المُقدّسین الّذین تشرفت بفیوضهم

الجامعة المدنیّة

○ اُن بڑی ہستیوں کا تذکرہ، جن کے فیوض و برکات سے جامعہ مدنیہ مشرف ہے۔ ○

بقلم الاستاذ العلام مولانا عبد المنان الدهلوی

ترجمہ: حضرت مولانا محمد ظہور الحق صاحب مدظلہم مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

بِمَالْٹَا نَزَلَتْ فِي السِّجْنِ قَافِلَةٌ ۔۔۔ فَعَادَ كُلُّ مَكَانٍ مِنْهُ مُزْدَهِرَا

مالٹا کی جیل میں ایک ایسا قافلہ اُترا۔ کہ اس قافلہ کی (برکت) سے وہاں کی ہر جگہ پر رونق ہو گئی۔

فَالسِّجْنُ يُنْبِئُ عَنْ اَضْيَافِهِ فَرَحًا ۔۔۔ بِمَا جَرَى وَبِشَيْخِ الْهِنْدِ مُفْتَخِرَا

قیدخانہ خوشی خوشی اپنے مہمانوں کی خبر دے رہا تھا۔ سرگزشت (بتلا رہا تھا) اور شیخ الہندؒ پر فخر کے ساتھ بتلا رہا تھا

اُولٰئِكَ النَّفَرُ الْاَبْطَالُ مِنْ فِئَةٍ ۔۔۔ جَرِيئَةٍ لَّا تَخَافُ الْمَوْتَ قَدْ قُدِرَا

یہ بہادر لوگ اس جرأت مند جماعت سے تھے، جو مقدر شدہ موت سے نہ ڈرتی ہو۔

ذُلُّ التَّعَبُّدِ لَا ذُلٌّ يُقَابِلُهُ ۔۔۔ وَالْحُرُّ يَقْبَلُ مَوْتًا كَيْفَ كَانَ عَرَا

(در حقیقت) غلامی کی ذلت وہ ذلت ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی ذلت نہیں ہو سکتی اور آزاد رہنے والا (اس کے مقابلہ میں) موت پسند کرتا ہے جیسے بھی آئے۔

هُمُ الرِّجَالُ يَرَوْنَ الضَّرْبَ مُغْتَنَمًا ۔۔۔ عَلَى الْعَدُوِّ اِذَا مَا الْحَرْبُ قَدْ سَعَرَا

وہ ایسے پُر عزم لوگ ہیں جو جنگ کی بھڑکتی آگ میں دشمن پر وار کو غنیمت جانتے ہیں۔

ضَرْبُ الْغُزَاةِ عَلَى الْاِنْكِلِيزِ اَوْصَلَهُمْ ۔۔۔ كَمَا سَمِعْتَ اِلٰى مَثْوَاهُمْ سَقَرَا

انگریز کو ان غازیوں کی مار نے انھیں (جیسا کہ تم سن چکے ہو) ان کے ٹھکانے جہنم میں پہنچا دیا۔

مَحْمُوْدُهُمْ كَذُبَابِ السَّيْفِ عَزْمَتُهٗ لَيْثُ الْوَغٰى بِضَرْبِ الْكُفَّارِ مُنْتَصِرَا

ان مجاہدین کے محمود (حضرت شیخ الہندؒ) کا عزم تلوار کی دھار کی طرح تھا۔ میدانِ جنگ کے شیر تھے۔ کفار کو کامیابی سے مارتے تھے۔

وَكَانَ مَاكَانَ تَمْهِيْدًا وَتَوْطِئَةً لِثَوْرَةٍ حَدَثَتْ فِي بَلْدَةٍ وَّقُرٰى

یہ جو کچھ تھا سب تمہید تھی اور میدان کو ہموار کرنا تھا اس تحریک و ہیجان کے لیے جو (ہر) شہر اور بستیوں میں رونما ہوا۔

وَحَرَّكَ الْجَيْشَ تَرْتِيْبًا وَّجَهَّزَهٗ لِكَيْ يُبَارِزَ مَنْ يَطْغٰى وَمَنْ كَفَرَا

وہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ اپنے لشکر کو حرکت میں لائے اور اس کا سازوسامان کیا تاکہ وہ سرکشی اور کافروں سے مبارزت کریں۔

مُحَدِّثٌ ذَاكِرٌ تَالٍ وَّيُعْجِبُهٗ بُكَاءُ لَيْلٍ وَذِكْرُ اللّٰهِ مَاعَمِرَا

وہ محدث تھے ذاکر تھے قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ انہیں رات کا رونا پسند تھا اور خدا کی یاد جب تک وہ زندہ رہے۔ (یہی معمول رہا)

لَمْ يَلْتَفِتْ اَبَدًا اِلَّا اِلٰى ثِقَةٍ بِاللّٰهِ رَبًّا عَلٰى اِنْعَامِهٖ شَكَرَا

انھوں نے کبھی بھی سوائے اعتماد ذاتِ باری تعالیٰ کے کسی کی طرف توجہ نہیں کی وہ رب ہے اس کے انعام پر وہ شکر گزار رہے۔

مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ شَدُّ الرِّحَالِ اِلٰى دُرُوْسِهٖ لَاتَرٰى طُوْلًا وَّلَا قِصَرَا

ہر طرف سے لوگ سفر کر کے ان کے اسباق میں آتے رہتے (ان کے درس میں) نہ زیادہ طویل بیان ہوتا تھا نہ ضرورت سے کم

وَكُلَّمَا عَرَضَتْ فِى الدَّرْسِ مُشْكِلَةٌ دَقِيْقَةٌ رَفَعَ الْاِشْكَالَ وَاخْتَصَرَا

اور جب بھی درس میں کوئی دقیق مشکل مسئلہ پیش آتا تھا تو وہ (بہت) مختصر کر کے اشکال رفع فرما دیتے تھے۔

فَعَمَّ فَيْضُكَ يَا شَيْخَ الْمَشَائِخِ مَنْ فِى الْعٰلَمِيْنَ وَقُطْرِ الْاَرْضِ مُنْفَجِرَا

اے شیخ المشائخ! آپ کا فیض سب لوگوں کو جو عالموں میں بستے ہیں شامل ہے اور اقطارِ ارض میں پھوٹ پڑا ہے۔

فَاشْرَفَ وَضِيَاءُ الْحَقِّ ثُمَّ كِفَايَةُ وَانْوَرُ شَيْخُ الْعَصْرِ مُبْتَهِرَا

حضرت مولانا اشرف علی، مولانا ضیاء الحق دیوبندی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا انور شاہ جو شیخ زمانہ تھے رحمہم اللہ جمیعاً رحمۃ واسعۃ

فُيُوْضُ مَنْ حَلَّ رِضْوَانٌ بُيُوْتَهُمْ بِلَاحِسَابٍ تَعُمُّ الْبَحْرَ وَالْمَدَرَا

یہ ان کے فیوض اُن (مقبولانِ بارگاہ) کے فیوض کی طرح تھے۔ کہ جن کے گھروں میں خدا کی رضا اتری ہو۔ یہ فیوض بلاحساب تھے کہ سمندر اور خشکی

(باقی)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يَرْضٰى وَيَأْنَفُهٗ   عَنْ مَدْحِهٖ بِدِثَارِ الْعَجْزِ مُدَّثِرَا

پروردگار کی قسم وہ اپنی تعریف پر خوش بھی نہ ہوتے تھے اور اسے ناپسند کرتے تھے۔ اپنی تعریف سے عاجزی کی چادر میں چھپے رہتے تھے۔

وَكَانَ فِيْ نَهْضَةِ التَّحْرِيْرِ نَائِبَهٗ   عَبْدُ الرَّحِيْمِ اِلٰى اَنْ مَاتَ مُغْتَفِرَا

تحریکِ آزادی میں ان کے نائب حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ رہے حتّٰی کہ وفات ہوئی اور مغفور ہوئے۔

نِظَامُهَا وَزِمَامُ الْاَمْرِ فِيْ يَدِهٖ   بَعْدَ الْاِسَارَةِ مَسْئُوْلًا كَمَا اُمِرَا

اس تحریک کا انتظام اور زمام کار حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسارت کے بعد ان کے ہاتھ میں رہی اور جیسے اُن سے کہا گیا تھا

وَاسْتَنْطَقَتْهُ جَوَاسِيْسُ الْفِرَنْجِ فَلَمْ   يَخَفْ وَخُوِّفَ بِالتَّهْدِيْدِ وَازْدُجِرَا

انگریزوں کے جاسوسوں نے اُن سے راز لینا چاہا۔ ان کو دھمکیاں، ڈراوے دیے گئے۔ ڈانٹ ڈپٹ کی گئی، مگر وہ خائف نہ ہوئے۔

اَجَابَهُمْ بِجَوَابٍ مُفْحِمٍ وَغَدَا   لِلسِّرِّ مُكْتَتِمًا وَرّٰى كَمَا جُبِرَا

(شاہ صاحبؒ نے) انھیں خاموش کن (مسکت) جواب دیا۔ راز چھپائے رہے۔ اور جیسے جبر کیا گیا تھا وہ توریہ کرتے رہے۔

لِلّٰهِ دَرُّ حَكِيْمٍ زَانَ حِكْمَتَهٗ   نَفْعُ الْخَلَائِقِ مِدْرَارًا وَمُنْحَدِرَا

کیا ہی صاحب حکمت تھے۔ اُن کی حکمت کو مخلوقات کے فیض اور نفع نے زینت بخشی جو خوب تیز بہکر نیچے (والوں تک) آرہا ہے۔

يَخْلُوْ بِحُجْرَتِهٖ لَمْ تَخْلُ سَاعَتُهٗ   عَنْ ذِكْرِهٖ مَلَأَ الْاٰصَالَ وَالسَّحَرَا

حجرہ میں خلوت گزین رہتے تھے ان کا وقت ذکر اللہ سے خالی نہ جاتا تھا۔ صبح و مسا کے تمام اوقات ذکر اللہ سے گھرے ہوئے رہتے تھے۔

مَجَالِسُ الذِّكْرِ وَالْاِرْشَادِ قَائِمَةٌ   بِهٖ يَدُلُّ عَلٰى مَا يُوْصِلُ الْبَشَرَا

ذکر و ارشاد کی مجلسیں جاری رہتی تھیں۔ ذکر الٰہی سے وہ راستہ دکھلاتے تھے جو انسان کو واصل باللہ بنا دے۔

وَنُوْرُ بَاطِنِهٖ يَعْلُوْ اَسِرَّتَهٗ   يَرُوْقُ مَنْظَرُهٗ فَانْبَثَّ مُنْتَشِرَا

اُن کا نور باطن ان کے چہرے پر عیاں تھا۔ (بڑا دل پسند منظر رہتا تھا۔ (فیض نور باطن) سب جگہ پھیل پڑا۔

شُغْلُ التِّلَاوَةِ فِيْ سِرٍّ وَفِيْ عَلَنٍ   غِذَاءُهٗ بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ مُفْتَقِرَا

اُن کی غذا تلاوت قرآن حکیم تھی۔ تنہائی میں بھی اور سامنے بھی، حضور قلب اور افتقار الی اللہ کے ساتھ۔

وَكَانَ بَيْنَهُمَا فِي اللّٰهِ رَابِطَةٌ   قَوِيَّةٌ نُصِرَا بِالرُّعْبِ مَا نُصِرَا

ان دونوں اکابر میں خدا کی ذات کے لیے ایک نہایت قوی تعلق و رابطہ تھا انھیں اللہ کی طرف سے رعب عطا کرکے خوب خوب امداد کی گئی تھی۔

كِلَاهُمَا رُفِعَا قَدْرًا وَّمَنْزِلَةً   بَيْنَ الْاَنَامِ وَعِنْدَ اللّٰهِ قَدْ اُجِرَا

ہر دو اکابر کی مخلوق میں قدر و منزلت کی گئی اور اللہ کے یہاں انھیں (بڑا) اجر دیا گیا۔

قَصِيْدَةٌ وَعَلَى التَّارِيْخِ شَامِلَةٌ   لِمَنْ مَّضٰى صُغْتُهَا بِالنَّظْمِ مُبْتَكِرًا

یہ ایک قصیدہ اور گزشتہ اکابر کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ میں نے نظم میں ڈھالا ہے...

ختم ہوا

بقیہ صفحہ : ۴

کارساز ہو جا اور جو تو نے عطا فرمایا ہے اس میں ہمیں برکت دے۔ اور ہمیں اپنی قضاء کے بُرے انجام و فیصلہ سے بچائے رکھ کیونکہ تیرا فیصلہ سب پر نافذ ہوتا ہے۔ تجھ پر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا اور جس سے تو دشمنی کا معاملہ فرمائے اسے کوئی عزت نہیں بخش سکتا اور جس کا تو کارساز ہو اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔

اے ہمارے پروردگار! تو بڑی برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔ ہم تجھ سے استغفار و توبہ کرتے ہیں۔ اے اللہ! تو اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما۔ اور جو تو نے وَكَانَ حَقًّا کا وعدہ فرما رکھا ہے وہ پورا فرما (یعنی تیرا وعدہ ہے کہ مومنین کی مدد ہمارے ذمہ ہے۔ وہ پورا فرما)۔ اے اللہ! مسلمانوں کے آپس کے تعلقات اچھے کر دے۔ ان میں دلی محبت پیدا فرما دے۔ انھیں تو ان کے اور اپنے دشمنوں پر کامیابی عطا فرما۔ اے اللہ! یہود و نصاریٰ اور مشرکین پر اپنی لعنت فرما جو تیرے دوستوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اور تیرے راستہ (پر آنے) سے (لوگوں کو روکتے) اور ہٹاتے ہیں۔ تیرے انبیاء کو جھٹلاتے ہیں۔ اے اللہ! ان کے شہروں کو برباد کر دے۔ اے اللہ! ان کی باتوں میں اختلاف پیدا کر دے۔ ان کی یگانگت میں تفریق ڈال دے۔ ان کا شیرازہ منتشر کر دے۔ ان کے پاؤں ڈگمگا دے۔ ان کے لشکر کو شکست دے۔ اور ان کے دلوں میں رُعب اور بزدلی ڈال دے۔ اے اللہ! جو ان میں زبردست ہیں ان کی گرفت فرما۔ اور (جیساکہ تو بڑی قدرت و غلبہ والا ہے)۔ ان کی قدرت و غلبہ والی پکڑ کر۔ اے اللہ! مسلمانوں کے لشکروں کی فلسطین، کشمیر اور تمام پاکستان میں مدد فرما۔ اور ان سے جو یہود و نصاریٰ اور مشرک لڑیں۔ ان کو شدت سے روند ڈال۔ اور ان پر اپنا خوف و ہیبت طاری فرما دے کہ جو تو مجرموں سے نہیں ہٹایا کرتا (اور ان کے دلوں پر طاری رکھتا ہے۔) اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم لائق ہیں (بلکہ) وہ معاملہ کر جس کے تو لائق ہے۔ تیری ذات اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور (جب ڈرنے والا ڈرتا ہے تو تیری ذات) معاف کرنے کے لائق ہے (بلکہ) اچھائی احسان اور مزید عطا فرمانے والی ہے۔ وہ اپنی رحمت کاملہ نازل فرما۔ ان پر جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تیری سب مخلوق سے زیادہ تیرے نزدیک مکرم ہیں۔ (یعنی) ہمارے سردار (و آقا) حضرت، محمد ﷺ پر اور ان کی آل و اصحاب پر جس طرح تو چاہے اور راضی ہو اور جتنی مرتبہ تو چاہے اور تری رضا ہو۔

— حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے پاکیزہ حالات —

حیاتِ شیخ الاسلام

قسط : ۷

شیخ الحدیث حضرة علامہ مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ

رہائی کے بعد

(رُوداد ۱۹۲۱ء)

رہا ہونے والوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے گئے۔ دہلی میں جس شان وشوکت سے مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب مرحوم کا جلوس نکالا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چشمِ دہلی نے اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں دیکھی تھی۔ مگر حضرت شیخ الاسلام جیسے روحانی تاجدار کی شان ہر ایک جلوس سے مستغنی تھی اور ہر نمائش سے بلند وبالا دیوبند میں آپ کے استقبال کی تیاریاں وسیع پیمانہ پر کی گئی تھیں۔ لیکن صبح کے وقت اہل دیوبند کو معلوم ہوا کہ آقائے مدینہ کا مدنی فداکار دو بجے شب کی تاریکی میں تن تنہا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کے دولت کدہ پر رونق افروز ہو چکا ہے۔ رضاکاران مراد آباد کے شانے مضطرب تھے کہ جانشینِ شیخ الہند کے کوکبہ ہمایوں کو اٹھائیں گے۔ دفعۃً ان کو معلوم ہو گیا کہ شاہسوار جادۂ اخلاص وطریقت مدرسہ شاہی میں تشریف فرما ہے۔

شرکتِ تحریک کا مقصد

تحریک خلافت نے کم وبیش پانچ سال عمر پائی اس کے بعد اگرچہ مرکزی خلافت کمیٹی کا دفتر بمبئی میں عرصہ تک رہا۔ مگر اس مرکز کا دائرہ مٹ چکا تھا۔ اس تحریک میں ۹۵ فیصدی مسلمان شریک ہوئے اور اپنی ہندی نژاد جماعتی خاصیت کے بموجب انتہا پسندی کے ساتھ شریک ہوئے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیشتر مسلمانوں کی سرگرمی کا محرک وہ جذبہ تھا جس کو مقاماتِ مقدسہ

کی بے حرمتی اور دولت عثمانیہ کی تباہی نے مشتعل کر دیا تھا۔

کانگریس کو اس تحریک سے غیر معمولی قوت حاصل ہوئی اور غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ مگر افسوس مسلمان اس تحریک کے ذریعہ کانگریس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ کانگریس کے پیش نظر ہندوستان کی آزادی تھی اور ثانوی مرتبہ میں خلافت کی حمایت۔ اور عام مسلمانوں کا نظریہ اس کے برعکس تھا۔ بہت سے مسلمان وہ تھے جو اس تحریک خلافت کو آزادئ ہند کی آخری اور فیصلہ کن تحریک تصور کر رہے تھے ان کو یقین تھا کہ صبح شام میں انگریز ہندوستان سے رخصت ہو رہا ہے۔ تحریک کی ناکامی نے ان پر یاس وقنوط طاری کر دیا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ انگریز کا بوٹ اور ہیٹ، ہندوستان کے زمین وآسمان سے ہمیشہ کے لیے پیوست ہو گیا ہے۔ جرمنی جیسی کسی بیرونی طاقت کا خنجر آبدار ہی اس پیوستگی کو کاٹ سکتا ہے تحریک خلافت جیسی آزادی ہند کی تحریکوں کا مستقبل وہی ہوگا جس کا نقشہ ماضی نے پیش کیا امزید برآں جب انگریز کی شہرہ آفاق ڈپلومیسی نے شردھانند جیسے ہندو نیتاؤں کے ذریعہ شدھی اور سنگھٹن کا ترش اور تلخ جام ہندوستانیوں کو پلایا۔ توان خام مزاج سرمستوں کی تمام مستی ختم ہو گئی۔

لیکن بارگاہ رشیدی اور محمودی کا یہ پختہ کار مسند نشین (جس کی حیات کے مختصر حالات درج کرنے کے لئے ہمارا قلم سرنگوں ہے) اپنے دماغ میں وہ نشہ نہ رکھتا تھا جس کو کوئی ترشی آتار سکے۔ کیونکہ اس کے سامنے پہلے ہی سے دین مذہب کے ساتھ سیاست بھی تھی۔ اس کی ایک نظر دولت عثمانیہ کے زوال وبقاء پر تھی تو دوسری نظر بلکہ پہلی نظر ہندوستان کی آزادی پر۔ اس نے تحریک خلافت اور آزادی ہند کو مذہبی دلائل سے بھی پیش کیا اور اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے بھی۔ اس کی یادداشت میں مذہبی دلائل کا ذخیرہ بھی تھا اور اس کے ساتھ ہندوستان کی معاشی، اقتصادی اور سماجی تباہیوں کا نقشہ بھی پتھر کی لکیر تھا جو صفحہ، دماغ سے کبھی محو نہ ہوتا تھا۔ اس نے تحریک خلافت کے خاص دور میں جس کو دور شباب کہنا غیر موزوں نہ ہوگا۔ جس طرح حریت اور اخلاص وطن کے مذہبی دلائل پیش کئے اسی طرح اس نے آٹے دال کے پرانے اور نئے نرخ۔ ہندوستان کی قدیم صنعت اور عہد برطانیہ میں اس کے زوال ہندوستان کی گذشتہ دولت مندی اور موجودہ تباہ حالی کے تاریخی شواہد پیش کر کے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے بھی ذہن نشین کرایا کہ آزادی ہند کس قدر ضروری اور بنیادی مسئلہ ہے جس کے بغیر کوئی جماعتی مصیبت زائل نہیں ہوسکتی اور کوئی سماجی بلندی اور بہتری حاصل نہیں ہوسکتی۔

ان خیالات کا اندازہ ان تقریروں سے ہو سکتا ہے جو ۱۹۲۱ء میں آپ جگہ جگہ فرماتے رہے۔ جن میں سے بعض تقریریں اور خطبات صدارت شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ذیل میں ان خطبات کے ضروری اقتباسات پیش کی جاتی ہیں۔

خلافت کانفرنس منعقدہ ۱۲ فروری ۱۹۲۱ء بمقام سیوہارہ ضلع بجنور کے خطبہ صدارت میں آپ نے تحریک خلافت کی اہمیت اور ضرورت سے متعلق ضروری امور کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

یہ وہ واقعات ہیں جن کا تعلق عالمِ انسانی سے بحیثیت تدین اور مذہب ہے اور ان کی خصوصیت ہمارے پیارے وطن کے خارجی ممالک سے بہت زیادہ ہے اب ذرا اپنے وطن اور ملک پر آنکھ اٹھایئے اور تواریخ قدیمہ پر گہری نظر ڈالئے اور پھر اپنی قدیمی اور موجودہ حالتوں کا امتیاز کیجیے۔

ہمارا وطنِ ہند

یہی وہ ہندوستان ہے جو کہ اطرافِ عالم کو اپنی صناعتوں اور تجارتوں سے مالا مال کرتا تھا وہ دوسروں سے مستغنی اور دوسرے اس کے محتاج تھے۔ ابتدائے دنیا سے کر سو برس پہلے تک ہندوستان کی تاریخ ہر حیثیت سے نہایت روشن و زرین نظر آتی ہے۔ وہ فقط انسانیت ہی کا معدن نہ تھا۔ بلکہ متمدنی شعبوں کی شاخیں بھی یہاں سے پھیلیں وہ تمدّن آج تک آسمان پر ایک ایسا روشن ستارہ نظر آتا ہے جس کی نظیر مغرب میں تو درکنار مشرق کے کسی خطّہ میں بھی نظر نہیں آتی ہندوستان اس وقت متمدن تھا جب کہ سارا عالم وحشی تھا۔ وہ عالم و فاضل تھا جب کہ طبقات زمین میں جہل کی آندھیا چل رہی تھیں، وہ سیر تھا جب کہ ساری دنیا بھوکی تھی۔ علم ہندسہ اور حساب جو کہ ترقی اور تمدّن کا اکیلا مدار ہے، کیا اسی کا جملہ عالم کو عطیہ نہیں ہے؟ علم حکمت (ویدک) اور نجوم کیا اسی کا مایہ ناز نہیں ہے؟ علم سیاست ملوک کیا اس کا وہ خزانہ نہیں ہے؟ جس کے لیے بادشاہانِ فارس مدتوں سرگرداں رہے ہیں۔ علم موسیقی اور حکمت صناعی میں کیا اس کا جھنڈا تمام ملکوں کے جھنڈوں سے سربلند نہیں رہا؟ روحانی علوم میں کیا وہ اپنے گرد و نواح کے ملکوں کا پیشرو نہیں تھا؟ اسلام کا چمکدار اور نہایت روشن آفتاب جب کہ ہندوستان پر پرتوافگن ہوا تو اس نے ہندوستان کے قدیمی کمالات میں کسی قسم کی کمی نہیں کی بلکہ عرب و عجم اور روم و ترک کے ان کمالات کا اضافہ کر دیا جن کی ہوا ہندوستان کو اس وقت تک نہ لگی تھی۔ ہندوستان فطرتی طور پر نہایت سمجھ دار دماغ نہایت ذکی طبیعت نہایت گہری فکر نہایت شعور والا

قلب نہایت صبر والاجسم رکھنے والا ملک بتایا گیا تھا۔ اس کا اعتدال ہوائی اس کے تفاخر کا گواہ اور اس کا مرکز انسانی ہونا اس کی فوقیت کا شاہد ہے یہی وجہ ہے کہ مدتوں تک یورپ نے اس طرف اپنی ہمتوں کو متوجہ کیا اور سالہا سال تک ہزاروں قسم کی اس فکر میں مصائب جھیلیں وہ کونسا بادشاہ ہے جس کی عنان خواہش اس ملک کی طرف اس کے قدرتی کمالات کی وجہ سے متوجہ نہیں رہی اور وہ کونسی قوم ہے جس نے ہندوستان کے فرطِ عشق و محبت میں اس کے حسنِ خداداد کی بناء پر داغ رنج والم نہیں کھائے کونسی چیز دنیا میں موجود ہے کہ ہمارا پیارا وطن اس کا گنجینہ نہ ہو اور کونسا وہ کمال ہے جو دیگر اقوام میں اقامت پذیر ہوا ہو اور ہندوستانی قومیں اس سے عاجز رہی ہوں۔ شاہان ہند کا اپنے آپ کو شاہجہان ملقب کرنا اور مورخین کا اس کو ربع مسکون قرار دینا آخر کس بنا پر ہے۔ فطرت نے جیسے کہ اس کو دارا مسٹر جیسی مادی چوٹی روئے زمین کے جملہ پہاڑوں سے بلند تر عطا فرمائی۔ اسی طرح اس کو روحانی اور اخلاقی کمالات کے وہ دریائے ذخار اور زرخیزی اور جغرافی محاسن کے ایسے وسیع سبزہ زار عطا کئے کہ کوئی ملک اور کوئی اقلیم اسکے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتی۔ ہندوستان کے ہر ہر ذرّہ اور ہر ہر بتہ سے اس کے تفوق کی دلیلیں اور اس کے کمالات کے شواہد ملتے ہیں جن کو مورخین عالم کہتے کہتے عاجز ہو گئے۔

ہندوستان کی قسمت پلٹ گئی

وہ ایک اکیلا ملک ہے کہ وحشت اور درندگی کے بدنما دھبہ سے اپنے دامن کو ہمیشہ پاک و صاف دکھلا سکتا ہے وہ تنہا ایسی تاریخ رکھتا ہے جو کہ اس کے تمام گذشتہ عمر میں تمدن کے چمکنے والے آفتاب کی صاف اور تیز روشنی ڈال رہی ہے مگر افسوس کہ بدقسمتی سے اس آخری صدی میں اس کا نہ گہنے والا آفتاب زرد ہو گیا اور نہ چھپنے والا ستارہ اس طرح غروب ہو گیا کہ یورپ کی تہذیب اور مغربی انصاف نے اس کو ایک ایسے گہرے اور تاریک گڑھے میں ڈھکیل دیا جس کی گہرائی اور تاریکی حد و نہایت نہیں۔ برطانیہ کے مسیحا صفت ڈاکٹروں نے اس کو بزعم خود ایسی زندہ کرنے والی دوائیں دیں کہ قیامت آجائے مگر اس کو حرکت کرنا تو درکنار چھینک کی بھی طاقت نہیں رہی۔ کل کی جملہ وحشی اقوام آج تخت آزادی پر جلوہ افروز ہو کر داد زندگی دے رہی ہیں۔ مگر ہندوستان میں آزادی کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔

بڑے بڑے انگریزی ڈاکٹر ۱۸۵۸ء میں بلکہ اس سے پہلے سے اس کا نہایت جانفشانی سے معالجہ کرتے ہوئے اس کو صحیح و سالم کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شفایاب ہونے ہی پر نہیں آتا اس کو ہر طرح بیدار کرتے ہیں۔ مگر وہ کروٹ ہی نہیں بدلتا۔ وہ ملک جن کو ابتدائے آفرینش دنیا سے آج تک آزادی کی جھلک اور خود مختاری کی مہک بھی نہ پہنچی تھی آج وہ کوس لمن الملک الیوم بجارہے ہیں۔ وہ قومیں جن کے جہل، وحشت وزندگی، دنائتِ طبع، رذالت اخلاق وغیرہ پر آج تک مشرقی اور مغربی تاریخیں اور ہزارہا وقائع شہادت دے رہے ہیں وہ خود مختاری اور استقلال کے مستحق اور لائق بنائے جاتے ہیں ان پر کسی قسم کی سیادت کا جائز رکھنا یورپ کی نظروں میں غیر قابل عفو گناہ ہے مگر وہ ہندوستان جس نے ابتدائے دنیا سے آج تک اپنا ذاتی فرمانروا ہونا اور مستقل نظم ونسق بناتے ہوئے اقوامِ عالم کا استاد ہونا صفحات تاریخ میں ثابت کردیا ہو اس کو غلامی اور دریوزہ گری کی سخت سے سخت آہنی زنجیروں میں جکڑنا عین تہذیب و عدالت ہے۔ اس کے لیے خیال آزادی گناہ لفظِ استقلال حرام، اظہار استحقاق حریت گناہ کبیرہ اور کوشش خود مختاری بدترین بغاوت ہے وہ اگر کسی زنجیر غلامی کے حلقہ کی وسعت کا خواب بھی دیکھ لے یا اس کی توسیع کی خواہش ظاہر کرے تو سزائے قید بامشقت یا پھانسی کا مستحق قرار دیا جائے۔

حضرات! یہ ہے یورپ کی اصلاح اس کی اقوام ضعیفہ کی آزادپسندی اس کی انسانیت کی ماہیت اس کی اقوام عالم کی ہمدردی۔ اس کی بنی نوع انسانی کی حمیّت۔

ہندوستان کے مصائب

وہ ہندوستان جو کچھ دنوں پہلے فقط اپنے ملک کو ہی نہیں بلکہ سیکڑوں ملکوں کو جامہائے گوناگوں سے مزین کرتا تھا۔ اس کی تجارت پارچہ ایشیائی افریقی اور یوروپین ممالک میں بڑے زور شور سے جاری تھی آج وہ ایسا محتاج و دریوزہ گر یوروپین حکمت عملیوں اور مغربی اصلاحی اسکیموں کے ذریعہ سے بنادیا گیا ہے کہ فقط سوتی کپڑوں کے لیے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ اس کو انگلینڈ بھیجنا پڑتا ہے۔ وہ ہندوستان جو کہ اپنی پیداوار سے اپنے بچوں کی وسیع پیمانہ پر پرورش کرتا ہوا دوسرے ممالک کو بھی پالتا

تھا، آج اس کے بچوں کو روٹی کا ٹکڑا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ روزانہ قحط کا دور دورہ ہے۔ کروڑوں ہندوستانی نژاد بھوک کی وجہ سے غیر ممالک میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ نہ ان کا وہاں کوئی پرساں ہے نہ خبرگیراں۔ آج ہندوستان کی بدولت مغربی قومیں اونچے اونچے محلوں اور نرم سے نرم گدّوں پر آرام کر رہی ہیں۔ مگر ہندوستان کے بچوں کو صرف چارپائیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ آج یورپین امنیں قیمتی پوشاک زیب تن کئے آٹھ آٹھ نو نو وقت ہندوستان کے اموال سے روزانہ پیٹ بھرتی ہیں مگر ہندوستان کی اولاد کے بدن پر نہ چمڑا ہے نہ جیب میں دمڑی۔ ایک وقت اگر سوکھی روٹی نصیب ہوئی تو دوسرے وقت فاقہ کی تیاری ہے۔ وہ ہندوستان جس میں غیر قومیں اپنا خون بہاتی تھیں آج اس کی سپوتوں کا بے حساب خون غیر قوموں کے فوائد کے لیے ہر ہر ملک میں بہایا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان جس گنجینۂ زرو مال رہتا تھا آج وہ گنجینۂ فقر و مسکنت ہے۔ وہ ہندوستان جو اپنی آبادی، قومی، ملکی، صناعتی، علمی، اخلاقی جملہ حیثیتوں سے استحقاق خود مختاری سب سے اول رکھتا تھا آج اس کے غلامی کے شکنجہ اور زیادہ سخت کرنے کے لیے ابد آلاباد تک کی فکریں کی جارہی ہیں۔ جبرالٹر۔ مالٹا، عدن وغیرہ پر قبضہ لیا جاتا ہے بحری سیادت اور بحری حکومت اپنے لیے مخصوص کی جاتی ہے۔ مصر کو دبایا جاتا ہے۔ عراق دبوچا جاتا ہے فلسطین شکار کیا جاتا ہے۔ ایران ذبح کیا جاتا ہے۔ خلافت ٹرکی کا شیرازہ بکھیرا جاتا ہے۔ ممالک سوڈانیہ و عربیہ کی قوت پاش پاش کی جاتی ہے۔ یہ کس وجہ سے؟ فقط بنی نوع انسانی کی خیر خواہی۔ امم ضعیفہ کی آزادی عالم میں اصلاح اور صلاح۔ امن و امان پسندی، عدل و انصاف گستری کی بناء پر ہی سب کچھ کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی خون کا انعام

اے ہندوستان! تیرے ننھے ننھے لاکھوں بچوں کا خون فرانس کے میدانوں میں، اطالیہ کے پہاڑوں میں، سالونیکا کے مرغزاروں میں، درۂ دانیال کی چٹانوں میں، صحرائے سینا اور سوئزو سوریہ کے ریگستانوں میں عدن۔ اور یمن کے سنگلاخوں میں، عراق و ایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں میں مشرقی و مغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں میں، ایشیائے کوچک اور قفقازیہ کے برفستانوں میں بحر اسود اور

ابیض اور احمر کے سواحل میں بہائم کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ان پر گولی اور گولوں کی بارش ہوتی ہے مصائب کے شکار ہوتے ہوئے کروڑوں جاں بلب ہو رہے ہیں مگر تجھ کو اس کے بدلے میں کیا ملتا ہے۔ فقط یہی کہ تیری بچیوں کا بیوہ ہونا تیری اولاد کا یتیم و برباد ہونا تجھ پر طوقِ غلامی کا کڑا ہونا۔ رولٹ بل کا پاس ہونا کورٹ مارشل لا کا جاری ہونا۔ پنجاب میں رنگین مظالم کا منتشر ہونا۔ جلیانوالا باغ میں مشین گنوں کا مینہ برسانا، تیری اولاد، اطفال پر مظالم و عصمت دری و بے آبروئی کی بوچھاڑ کرنا۔ تیری رہی سہی آزادی کو سلب کرنا۔ تجھ پر طرح طرح کے ٹیکسوں کا عائد کرنا۔ تجھ کو قسم قسم کی بغاوت کے نئے نئے پھندوں میں پھنسانا۔ تجھ کو اقوامِ عالم میں بدنام کرنا تیری دکھ کی کہانیوں پر کان نہ دھرنا۔ تیری شکایات پر ظالموں اور جابروں کے بجائے سزا کے تحسین کرنا اور آفرین دینا۔ ان کی امداد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

◎

سیّد انور حسین نفیس رقم کی خطاطی کے چند نمونے

ملنے کے پتے

مکتبۂ جدید : ا۔ انار کلی لاہور
فیروز سنز لمیٹڈ : شاہراہِ قائدِ اعظم، لاہور
مکتبۃ احیاء العلوم الشرقیۃ : شارع علامہ اقبال، لاہور
کواپرا ٹک شاپ : شاہراہ قائدِ اعظم، لاہور
آئینۂ ادب : چوک انار کلی، لاہور
حافظ سیّد انیس الحسن : جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور

طبعِ اوّل : قیمت : ۳ روپے ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء

محترم محمود احمد عارفؔ

نعت

اللہم صل علی النبی الامی

جب سے دیکھی فضا مدینے کی
آرزو ہے وہیں پہ جینے کی

ہے تجلّی میں طور سے بڑھ کر
مجکو اِک اِک گلی مدینے کی

عنبر و مشک و عود سے بڑھ کر
بُوند بُوند ترے پسینے کی

بِن مئے عشق زندگی کیا ہے
لا پلا ساقیا مدینے کی

عمر بھر کی ہے راہ راہ سلوک
ایک دو دن کی نے مہینے کی

اُس شہِ دوجہاںؐ کے صدقے میں
ہو عطا زِندگی قرینے کی

دِل پہ غالب ہے، اَب تو شوق لقا
کوئی حسرت نہیں ہے جینے کی

دوجہاں میں وُہ شادکام ہُوا
خاک جو بن گیا مدینے کی

مَوت آئے مجھے مدینے میں
خاک ہو جاؤں مَیں مدینے کی

غزلیں

مولانا سید سلیمان ندوی

وصالِ یار کی تدبیر کوئی بن نہیں سکتی
بلاتے بھی وہ اپنے پاس تو مَیں جا نہیں سکتا

لکھوں کس طرح رودادِ دلِ غمگیں مَیں کاغذ پر
کہ خط بھی راز کا محرم بنایا جا نہیں سکتا

پیامِ شوق کا قاصد بنے کوئی یہ ناممکن
میرا رازِ دلی پیغام بن کر جا نہیں سکتا

حریفِ عشقِ مخفی، دہر میں بلبل نہ پروانہ
مرے دل کے سوا تاب اس کی کوئی لا نہیں سکتا

جو تنہائی بھی حاصل ہو تو لب کچھ کہہ نہیں سکتے
کہ صورت دل کی خلوت میں بھی مَیں دکھلا نہیں سکتا

اِس اخفائے محبّت میں جو لُطف رُوح پرور ہے
کسی صورت سے وہ ضبطِ بیاں میں آ نہیں سکتا

سید امین گیلانی

مسندِ انصاف پر جب بھی کمینے آگئے
بے گناہوں کی جبینوں پر پسینے آگئے

کوئی کھیلا آگ میں، جھولا ہے کوئی دار پر
تیرے دیوانوں کو جینے کے قرینے آگئے

ہم بھی آنسو کیوں نہ برسائیں کسی کے ہجر میں
شور سُنتے ہیں کہ بارش کے مہینے آگئے

اُف خدایا! ناخُداؤں کی حماقت کے سبب
کتنے ہی طُوفان کی زد میں سفینے آگئے

تُم نے دیکھا میرے دشمن کھا رہے ہیں پیچ و تاب
جب سے مجھ کو مُسکرا کر اشک پینے آگئے

ہاں پگھل کر اشک بن جاتے ہیں جب بھی اے امین
غم کی بھٹّی میں دِلوں کے آبگینے آگئے

دورِ حاضر کے

سیاسی اور اقتصادی مسائل

اور

اسلامی تعلیمات و اشارات

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد محمّد میاں دامت برکاتہم

مالی نظام کے اسلامی اصول اور بنیادی نظریے

قرآن پاک اور سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ سُورتیں اور آیتیں جو نبوّت کے ابتدائی دَور میں نازل ہوئیں، جن سے دعوتِ اسلام کا آغاز ہُوا، اُن میں جس طرح توحید، خدا پرستی اور نماز کی ہدایت و تلقین کی گئی ہے اور شرک سے نفرت دلائی گئی ہے۔ اسی طرح قوّت و شدّت کے ساتھ ان میں دولت صرف کرنے کا حکم ہے۔ طغیان انگیز سرمایہ داری اور بُحران پیدا کرنے والی دولت مندی سے نفرت دلائی گئی ہے۔ اور ایسے صرف و خرچ سے ممانعت کی گئی ہے جس کا مقصد استحصال ہو۔ مثلاً:

(۱) سورۂ مُزمّل نبوّت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس کا پہلا حصّہ پہلے سال نازل ہوا، جس میں شب بیداری کی تلقین اور فرعونیت سے (جس کے تحت میں ملوکیت بھی آجاتی ہے) مقابلہ کرنے کی ہدایت ہے۔

دوسرا حصّہ جو ایک سال بعد نازل ہوا، جو ان احکام پر ختم ہوتا ہے۔

نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیتے رہو۔ (سورۂ مزمّل کی آخری آیت)

اس آیت میں خدا پرستی سے متعلق صرف ایک حکم ہے: "نماز قائم کرو" لیکن دولت سے متعلق دو حکم ہیں: "زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے رہو" (سورۃ نمبر ۷۳، آیت ۲۰)

(۲) اس سے پہلے سورۂ علق (اقرأ) نازل ہوئی تھی، جس کی ابتدائی آیتوں سے وحی کا آغاز ہوا ہے اور یہی لمحہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوّت عطا ہوا تھا۔ اس سورت کا دوسرا حصّہ کچھ عرصہ بعد نازل ہوا۔ دوسرے حصّہ کا پہلا فقرہ یہ ہے: انّ الانسان لیطغیٰ (الآیۃ)

سچ مچ یہ حقیقت ہے کہ انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ (حد سے نکل جاتا ہے) اس پر کہ دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی (صاحبِ دولت) ہو گیا ہے۔ (سورہ نمبر ۹۶ آیات ۶، ۷، ۸)

(۳) سورۂ مدثّر سب سے پہلی سورت ہے، جس میں آپ کو دعوت و تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کے پہلے فقرے میں جس طرح یہ حکم ہے: "وربّك فكبّر" اسی طرح یہ حکم ہے: "ولا تمنن تستكثر" کسی پر اس غرض سے احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ حاصل کرنا مقصود ہو۔

(کسی کو اس غرض سے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (بیان القرآن) سورۃ: ۷۴ آیات: ۳، ۶)۔

سورۃ مزمل کی وہ آیت جس کا ترجمہ نمبر ا میں پیش کیا گیا۔ اس میں دولت کے متعلق دو لفظ ہیں: **زکوٰۃ** اور **قرض**۔

زکوٰۃ ایک مخصوص مقدار ہے جو عموماً سرمایہ کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ختم سال پر لازم ہوتی ہے۔ جب سرمایہ کی ایک خاص مقدار مثلاً:

۵۲ تولہ چاندی کسی مسلمان کے پاس اس کی ضروریات سے فاضل سال بھر رہی ہو تب اس پر فرض ہوتا ہے کہ اس کا چالیسواں حصّہ (تقریباً ایک تولہ ساڑھے تین ماشے) ادا کرے۔

(۴) مکّی سورتوں میں سورۂ بلد بھی ہے۔ اس کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"کیا (انسان) خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں"

"کیا نہیں دیں ہم نے اس کو دو آنکھیں۔ کیا نہیں دی ہم نے اس کو زبان۔ کیا نہیں دیے ہم نے اس کو دو ہونٹ جن کے ذریعے گفتگو اور تقریر و خطابت کا وہ شرف اس کو حاصل ہے جو کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔

اور کیا نہیں بتا دیے ہم نے اس کو (خیر و شر، کامیابی و ناکامی کے) دونوں راستے۔ پس اس نے گھاٹی کا دشوار گزار راستہ کیوں نہیں طے کیا۔

آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے؟ جس سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ گھاٹی یہ ہے: کوئی گردن چھڑانا (غلام خرید کر آزاد کرنا یا مقروض کا قرض ادا کر دینا) یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتے دار یتیم کو یا کسی مٹّی میں ملنے والے (فرش زمین پر بسر کرنے والے) ضرورت مند کو۔" (سورۃ: ۹۰ آیات: ۷ تا ۱۶)

یعنی صرف اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھنے والا اور بولنے والا بنایا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اس انعام کے شکر میں وہ ہر ضرورت مند کی امداد کرے۔ وہ اس کا عزیز قریب ہو یا اجنبی۔

(۵) سُورۃ الھمزہ بھی مکہ معظمہ کے اسی دور میں نازل ہوئی۔ یہ پوری سُورۃ سرمایہ داری کے خلاف اس شدّت سے گرج رہی ہے کہ انقلاب پسندوں کے تمام لٹریچر میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

"تباہی اور بربادی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (اپنی دولت اور سرمایہ کے زعم میں دوسروں کو) طعنہ دیتا ہے۔ ان میں عیب نکالتا ہے۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا۔ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال سدا رہیگا۔ اس کے پاس۔ ہرگز نہیں۔ یقین رکھو۔ ایسی آگ میں ڈالا جائے گا کہ اس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ آپ کو کچھ معلوم ہے وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے۔ جو دلوں تک پہنچے گی۔ اور ان پر پابندی کر دی جائے گی۔ لمبے لمبے ستونوں میں" (سُورۃ الھمزہ ۱۰۴)

سُورۂ مزمّل کی آیت جس کا ترجمہ ۲ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں صرف دولت کے متعلق دو لفظ ہیں:

زکوٰۃ ، قرض۔

زکوٰۃ ایک مخصوص مقدار ہے جس کی ادائیگی ختم سال پر عائد ہوتی ہے۔ جب سرمایہ کی ایک خاص مقدار ــــ مثلاً: باون تولہ چاندی جو ضروریات سے فاضل ہو کسی مسلمان کے پاس سال بھر رہی ہو تو اس پر فرض ہوگا کہ اس چاندی کا چالیسواں حصّہ (تقریباً ایک تولہ ساڑھے تین ماشے) اس ضرورتمند کو ادا کرے جو مصرف زکوٰۃ ہونے کی شرطیں پوری کرتا ہو۔ یعنی خود صاحب نصاب نہ ہو۔ ایسا رشتہ دار نہ ہو جس کا نفقہ لازم ہوتا ہے۔ غیر مُسلم نہ ہو۔ سیّد نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر یہ تفصیل تقریباً پندرہ سال بعد بتائی گئی جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے۔ اور یہاں بھی دو سال تک جب تک یہ تفصیل نہیں بتائی گئی تھی اس وقت تک زکوٰۃ اور قرض میں صرف اتنا ہی فرق ہو سکتا تھا کہ زکوٰۃ میں یہ ضروری تھا کہ کسی ضرورت مند کو بلا معاوضہ (بطور ہبہ) کے مالک بنایا جائے اور قرض میں یہ شرط نہیں تھی۔ مثلاً آزاد کرنے کے لیے غلام خریدا گیا تو اس کی قیمت میں زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ یہاں اگرچہ تملیک ہوتی تھی کہ بائع کو رقم کا مالک بنا دیا جاتا تھا، مگر یہ تملیک بلا معاوضہ نہیں ہوتی تھی۔ یا مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں ایک کنواں (جو ایک یہودی کی ذاتی جائداد میں تھا) خرید کر وقف کر دیا تو اگرچہ اس سے مسلمانوں کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہوگئی کہ یہودی بغیر معاوضہ لیے پانی بھرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور اب یہ کنواں وقفِ عام ہوگیا۔ تو ہر شخص بلا روک ٹوک اور بلا معاوضہ جتنی ضرورت ہوتی پانی لینے کی عام اجازت ہوگئی تھی۔ مگر چونکہ کسی مُسلمان کو اس کا مالک بنانا مقصود نہیں تھا، لہٰذا اس میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضؓ نے زکوٰۃ کے علاوہ اپنے پاس سے رقم خرچ کی جو قرض بنامِ خدا ہوئی۔

پس نزولِ آیت کے وقت کا لحاظ کرتے ہوئے آیت کا مفاد وہ ہوا جو قرآن شریف میں دوسرے موقع پر ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

یسئلونك تا العفو (سُورۃ بقرہ ، آیت: ۲۱۸)

۱ — آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیں جو کچھ فاضل ہو وہ خرچ کردو۔

پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، جو افزود ہو۔ (شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

سورۂ بقر کی یہ آیت اگرچہ بعد میں نازل ہوئی مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مکی زندگی کی کھلی ہوئی شہادت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں برابر عمل وہی رہا ہے جو مفہوم آیت ہے۔

بعض حضرات مفسّرین کی رائے یہ ہے کہ سورۂ مزّمل کی یہ آیت جس میں ادائے زکوٰۃ کا حکم ہے، مدینہ طیّبہ میں نازل ہوئی، مگر یہ غیر ضروری تکلف ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب یہ آیت مکّہ معظمہ ہی میں نازل ہوئی — مدینہ طیّبہ میں زکوٰۃ کے متعلق مذکورہ بالا تفسیر بتائی گئی (فیض الباری)

پوری سورت کا سلسلۂ کلام (سباق) بھی یہی واضح کرتا ہے۔ کیونکہ سورۂ کی پہلی آیتوں میں جو شب بیداری کا حکم دیا گیا تھا، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کرام نے (جو اس وقت شرف رفاقت حاصل کر چکے تھے) اس حکم پر اس طرح عمل کیا کہ کم از کم ایک تہائی ورنہ نصف شب یا دو تہائی رات یادِ خدا میں کھڑے ہو کر گزاری۔ جس سے پیروں پر ورم آگیا۔ اور سال بھر یہ مجاہدہ کرتے رہے، تب اس سورت کا دوسرا حصّہ نازل ہوا، جس میں قیام شب کے حکم میں تخفیف کی گئی اور حکم ہوا کہ سہولت کے بموجب قرآن پڑھو۔ اور تخفیف کی وجہ ایسے انداز سے بیان کی گئی کہ مستقبل کا پورا نقشہ سامنے آگیا۔ بیماری کے عوارض بھی پیش آئیں گے۔ قومی، ملّی اور معاشی ضرورتوں کے لیے سفر بھی کرنے ہوں گے۔ راہِ خدا میں جہاد بھی کرنا ہوگا۔ اسی آیت کا آخری حصّہ یہ ہے کہ جس میں نماز، ادائے زکوٰۃ اور قرض فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔

پس جس طرح اس توجیہ میں ایک خانہ قتال اور جہاد کا بھی ہے، جس کی تفصیل دس بارہ سال بعد سامنے آئی۔ ایسے ہی زکوٰۃ کا خانہ بھی ہے، جس کا تصوّر اب دلا دیا گیا ہے۔ اور تفصیلات بعد میں نازل ہوئیں۔ لہٰذا یہ بات کہ اس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی، چودہ پندرہ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی تکلّف بارد ہے۔ اتفاق سے یہ پورا رکوع ایک آیت ہے۔

اس لیے بھی یہ تجزیہ مناسب نہیں ہے کہ کچھ کو مکّی مانا جائے اور کچھ کو مدنی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۶) اسی دور کا واقعہ ہے جس کی شہادت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے، کہ ایک روز حرمِ کعبہ میں گئے تو دیکھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ کے سائے میں تشریف فرما ہیں۔ ان کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ ربِّ کعبہ کی قسم قیامت کے روز یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ میں رہینگے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے یہ ارشاد سُنا تو لرز گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کچھ نازل ہوا۔ میں نے عرض کیا، آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، کن کے متعلق یہ ارشاد ہو رہا ہے؟ فرمایا: وہی جن کے پاس دولت زیادہ ہے۔ پھر ہاتھ پھیلا کر دائیں بائیں ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا: اِس خسارہ سے صرف وہ مستثنیٰ ہو سکتے ہیں جو اس طرح (دونوں ہاتھ بڑھا کر) اپنے سامنے دیتے ہیں۔ دائیں دیتے رہیں، بائیں دیتے رہیں۔

(ترمذی شریف)

(۷) سیّدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمیں صدقہ (کسی ضرورت میں چندہ کے لیے) فرمایا کرتے تو ہم بازار میں جا کر پلّہ ڈھوتے۔ (بوجھ اُٹھانے کی مزدوری کرتے تھے) اور ایک مد (تقریباً سیر بھر غلّہ یا کھجور) حاصل کر لیتے تھے۔ (اور لا کر پیش کر دیا کرتے)۔ (بخاری شریف: ص ۱۶۰)

اگرچہ یہ عمل مدینہ میں ہوا کرتا تھا، مگر اس سے مکہ معظمہ کی زندگی اور وہاں کے طرز تعاون پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کی آیتیں سابقین اولین کی ثناخوان ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بعد کے حضرات اگرچہ اُحد کے برابر بھی خرچ کردیں تو اُن سابقین کے ایک مُد کے مساوی نہیں ہو سکتا۔

عبادت اور پوجا کے دو سلسلے ہیں۔ ایک وہ جس کی بنیاد توحید ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کی بنیاد شرک ہے۔ اسلام توحید کا حامی، داعی اور معلّم ہے اور جن عبادتوں کی وہ تعلیم دیتا ہے ان

سب کی بنیاد توحید پر رکھتا ہے۔ اسی طرح مالی نظام کے دو سلسلے ہیں۔ ایک وہ جس کی بنیاد داد و دہش، جود و عطا اور انفاق (یعنی اپنے سرمایہ کو خرچ کرنے) پر ہے۔ دوسرا وہ جس کی بنیاد اخذ و ستد، وصول کرنے، دولت سمیٹنے، استحصال اور زیادہ ستانی پر ہے۔

اسلام جس طرح توحید کا حامی، داعی اور مبلغ ہے۔ اسی طرح وہ اس مالی نظام کا حامی ہے جس کی بنیاد داد و دہش، استغناء، سیرچشمی اور فائدہ رسانی پر ہو۔

وہ مالی نظام کے مذکورہ بالا دوسرے سلسلہ کا اتنا ہی مخالف ہے اور اسی طرح اس کی جڑیں اکھاڑتا ہے جیسے شرک، کفر، الحاد اور بے دینی کا مخالف ہے اور ان کے مقابلے کے لیے اپنے تمام ذرائع صرف کرتا ہے۔

نبوت کے ابتدائی دور میں جب تفصیلی احکام کی تلقین نہیں ہو رہی تھی ان کے صرف اشارات دیے جا رہے تھے۔ ان دونوں بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۂ رُوم میں اسلام کی پالیسی کا اظہار جن الفاظ میں کر دیا گیا تھا، ان کا ترجمہ یہ ہے:

"ادا کر قرابت دار کو اس کا حق اور مسکین کو اور مُسافر کو۔ (ملکی ہو یا غیر ملکی کوئی تفریق نہیں ہے)۔ یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں، فلاح پانے والے (کامیاب)۔ اور وہ جو تم سود دو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھوتی (اضافہ) ہو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا۔ (البتہ) جو زکوٰۃ ادا کرو جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو تو یہ (زکوٰۃ ادا کرنے والے) ہی ہیں۔ وہ اضافہ کرنے والے (بڑھانے والے)۔ (سُورۂ رُوم ؛ آیت ۳۸، ۳۹۔)

مدینہ طیبہ میں جب تفصیلات بتائی گئیں تو ان دونوں سلسلوں کا مقابلہ نمایاں کر دیا گیا، اور ہر ایک کی تاثیر کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا۔ ایک سلسلہ یہ ہے:

۱۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، رات اور دن پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر تو یقیناً ان کے پروردگار کے یہاں ان کا اجر ہے۔ نہ ان کو (عذاب کا) ڈر ہو گا۔ اور

نہ نامرادی کی غمگینی۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ~~۲۷۳~~ ۲۷۴ رکوع ~~۳۹~~ ۳۸)

۲۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے کام بھی اچھے ہیں۔ نیز تمام آداب کا لحاظ کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، بلاشبہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کا اجر ہے۔ اور نہ ان کو کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی۔
(سورۂ بقرہ، آیت: ~~۲۶۹~~ ۲۷۷ رکوع ~~۳۹~~ ۳۸)

۳۔ سورۂ روم کی مذکورہ بالا آیت میں جو فرمایا گیا تھا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہی اضافہ کرنے والے ہیں تو اس اضافہ اور بڑھوتی کی شکل بھی بیان کر دی گئی کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بیج کا دانہ جب بویا گیا تو صرف ایک دانہ تھا، پھر ایک دانے سے سات بالیں پیدا ہو گئیں اور ہر دانے میں سو دانے نکل آئے۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی دُگنا کر دیتا ہے۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۶۱، رکوع ~~۳۵~~ ۳۶)

دوسرا سلسلہ یہ ہے:

(۱) جو لوگ کھاتے ہیں سود تو نہ اٹھیں گے مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھو دیے جن نے لپٹ کر۔ (یعنی جیسے کوئی آسیب زدہ ہو یا مرگی کا مریض)۔ (سورۂ بقرہ، رکوع ۳۸)

(۲) اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا سود۔ (جو حرمت سود سے پہلے لازم ہو چکا تھا) اگر تم فی الحقیقت خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر اس باغیانہ روش سے توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور سود چھوڑ دو۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو چاہیے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ (سورۂ بقرہ، رکوع ۳۸، آیت: ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰)۔

فیصلہ دار الاسلام وہی ہے جہاں اسلام کا قانون رائج ہو، ایسی مملکت کی کوئی عدالت سود کی ڈگری نہیں دے سکتی۔ اگر دار الاسلام میں کسی نے سود لے لیا اور سود دینے والے نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو اسلامی عدالت سود کی رقم واپس کرادیگی۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک دار الاسلام کا کوئی مسلمان کسی غیر اسلامی مملکت میں پہنچا اور وہاں اس نے وہاں کے رہنے والے کسی غیر مسلم سے سود لے لیا تو اسلام جس اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس کے لحاظ سے یہ بھی غیر مناسب ہے تاہم قانونی بات یہ ہے کہ اگر وہ غیر مسلم دار الاسلام میں آکر اس سود لینے والے مسلمان پر دعویٰ کرے تو اسلامی عدالت اس سود کو واپس کر دینے کا فیصلہ نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ ایسی مملکت کا معاملہ ہے جو اس کے دائرۂ اقتدار سے خارج ہے جہاں اسلامی قانون رائج نہیں ہے۔

آج پوری دنیا سودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور بنک سسٹم پر ناز کر رہی ہے، مگر کیا دنیا کی تمام طاقتیں خصوصاً بڑی طاقتیں خود غرضی، سنگدلی اور حرص و طمع کے آسیب میں مبتلا نہیں ہیں؟ اور کیا خوف و ہراس، بے اطمینانی اور بے اعتمادی کی وبا تمام دنیا میں پھیلی ہوئی نہیں ہے؟

خود غرضی اور سنگدلی سود کا جوانہ پیدا کرتی ہے۔ اور جب سود ملتا ہے تو ان خصلتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ خصلتیں قوم کا مزاج بن جاتی ہیں تو وہ بحران رونما ہوتا ہے جو آج دنیا پر طاری ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہلک آلات ایجاد ہو رہے ہیں۔ جو بڑی سے بڑی قوموں کو بدحواس کیے ہوئے ہیں۔ انتہا یہ کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بھی یہی سمجھ رہا ہے کہ وہ آتش فشاں پر بیٹھا ہوا ہے۔

نوعِ انسانی کے لیے اس سے زیادہ آسیب کیا ہو سکتا ہے اور کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی ارشادِ ربانی کی تصدیق کے لیے کسی اور مشاہدہ کی ضرورت ہے۔

اللہ کے لیے قرض اور قومی قرضہ یا قرضۂ جنگ

حکومتیں ترقیاتی منصوبوں اور دفاعی ضرورتوں کے لیے قوم سے قرض لیتی ہیں۔ کیا عجب ہے قرض

کی اصطلاح انہوں نے قرآن حکیم سے سیکھی ہو، اگرچہ اس اصطلاح پر جس طرح عمل کیا جاتا ہے وہ منشاءِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ وہ قرض کے مقصد اور معنیٰ کو مسخ کر دیتا ہے۔

قرآن پاک جس کو قرض کہتا ہے، اس کا اثر یہ تو ہو سکتا ہے کہ دولت مند کی ابھری ہوئی سطح پست ہو جائے۔ کیونکہ اس قرض میں کبھی پوری دولت کا بھی مطالبہ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ افزود ہے سب خرچ کرو۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۱۸)

لیکن یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ غریب کی غُربت بڑھ جائے اور پس ماندہ طبقہ اور پست ہو جائے۔ ان کے برعکس رائج وقت سرکاری قرضوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ امیر زیادہ امیر، اور غریب زیادہ غریب ہو جاتا ہے۔ اور امیری اور غریبی کے درمیان کا فاصلہ اگر پہلے دس گز تھا تو اب پندرہ گز ہو جاتا ہے کیونکہ حکومت کا قرض سود سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ سود مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر عوام سے وصول کیا جاتا ہے۔ اور قرض دینے والوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ غریب جو ٹیکس ادا کرتا ہے اس کے عوض میں اس کو کچھ نہیں ملتا۔ لیکن دولت مند کے ٹیکس کی تلافی اس سود سے ہو جاتی ہے جو اس کے دیے ہوئے روپیہ پر ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی دولت صرف محفوظ ہی نہیں رہتی بلکہ کچھ لے کر صحیح سالم واپس ہوتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب ہو جاتا ہے۔ یہی سود کی خاصیت ہے کہ امیر کو زیادہ امیر کر دیتا ہے اور غریب کو پلپس ڈالتا ہے۔

آمدنی کے عام مدات یعنی زکوٰۃ، عشر و خراج وغیرہ سے (جن کی تفصیل آئندہ آئے گی) جب قومی اور ملکی ضرورتیں پوری نہ ہوں تب رب العٰلمین قرض کی اپیل کرتا ہے۔ لیکن اس وعدہ کے ساتھ کہ اس کا منافع اللہ تعالیٰ ادا کرے گا۔ عوام سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ عوام کو فائدہ پہنچانے کے لیے قرض لیا جا رہا ہے۔ نہ ان پر بار ڈالنے کے لیے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

اللہ کی راہ میں لڑائی پیش آجائے تو موت سے نڈر ہو کر جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (آیت ۲۴۴)۔

اپیل: کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے کہ اللہ تعالےٰ بڑھا دے۔ اس کے

قرض کو اس کے لیے کئی گنا ۔ (آیت : ۲۴۵)

صاحبِ دولت کی دولت (خدا کے نام پر) خزانہ سے نکل کر گردش کرے گی، تو ظاہر ہے دولتمند کو اس دولت میں سے دنیا میں کچھ نہیں ملیگا۔ البتہ اس گردش سے عوام کو فائدہ پہنچے گا۔ ان کی اقتصادی سطح کچھ بلند ہو جائے گی۔ اور اس طرح امیری اور غریبی کی درمیانی مسافت اعتدال پر آجائے گی۔

جنگ اور دفاع کے علاوہ دوسری قومی ضرورتوں کے لیے بھی یہ قرض لیا جائے گا۔ (مثال کے لیے ذیل کا واقعہ مطالعہ فرمائیے۔) :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ قبیلہ مضر کا ایک گروہ پہنچا۔ (شکستہ حال) برہنہ پا، برہنہ بدن۔ کچھ کمبل لپیٹے ہوئے۔ کچھ عبا پہنے ہوئے، کمروں میں رسیاں بندھی ہوئیں، جن سے کمبل کے کنارے یا عبا کے دامن تھمے ہوئے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان پڑھیں۔ اول جماعت ہوئی، پھر آپ نے خطبہ دیا۔ پھر سورۂ نساء کی ایک آیت پڑھی جو اس سورۃ کی پہلی آیت ہے :

اے لوگو! ڈرو اس خدا سے جس نے تم کو ایک انسان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اس جانِ واحد سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دو سے بے شمار مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ (پس دیکھو) اللہ سے ڈرو۔ جس کے نام پر آپس میں ایک دوسرے سے (محبّت اور حسنِ معاملہ کا) مطالبہ کیا کرتے ہو۔ نیز رشتہ داری اور قرابت کے معاملہ میں تقوٰی سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ (تمھارے اعمال کا) نگران حال ہے۔

(آیت : ۱، سورۂ نساء، رکوع : ۱)

پھر سورۂ حشر کے آخری رکوع کی ابتدائی آیتیں پڑھیں :

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر شخص کہ اس نے کیا

بھیجا کل کے واسطے۔

پھر آپ نے فرمایا:

"دینار، درہم، کپڑا، صاع بھر گیہوں، صاع بھر کھجور جس کے پاس جو ہو صدقہ کردے۔ (راہِ خدا میں دے دے)۔ کچھ نہ ہو، کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دیدے۔

حاضرین نے ارشاد گرامی سنا اور جو کچھ کسی کے پاس تھا لانا شروع کر دیا۔ (سب سے پہلے ایک انصاری ایک بوری لے آیا جو اتنی وزنی تھی کہ وہ اس کے اٹھانے سے عاجز ہوئے جاتے تھے۔ پھر نمبر لگ گیا۔ یہاں تک کہ غلّہ اور کپڑوں کے دو ڈھیر کھڑے ہو گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمکنے لگا۔ (مسلم شریف - الحث علی الصدقہ - ص: ۳۲۷ ج: ۱)

اسی جیسے موقع پر آپ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا:

"اتقوالنار ولو بشق تمرۃ۔ آگ سے بچو اگرچہ کچھ نہ ہو کھجور کا ایک ریزہ ہی دے کر تحفظ حاصل کرو۔ (مسلم شریف: ص: ۲۲۷، ج: ۱۔ بخاری شریف وغیرہ)

یعنی ایسے موقع پر جب کہ فاقہ کی حالت سامنے ہو جو کچھ ممکن ہو اس کا خرچ کر ڈالنا واجب ہے۔ اگر خرچ نہ کیا تو عند اللہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ قرآن حکیم ایسے صرف کو اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض تسلیم کرتا ہے۔ اس قرض سے عوام کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ ان کی سطح بلند ہو رہی ہے۔ اور اہل ثروت کا اخلاقی فرض ادا ہو رہا ہے۔ خود غرضی اور سنگدلی کے بجائے آپس میں محبّت، ہمدردی اور احترام کے جذبات بڑھ رہے ہیں۔ یہ نعمتِ کبریٰ ہے جس کی رہنمائی قرآنِ حکیم کر رہا ہے۔

مِلکیّت کی حقیقت اور حقیقی مالک

ملکیت: مسئلہ ملکیت ان ذہنوں میں اُلجھا ہوا ہے جو خدا شناسی کی روشنی سے محروم ہیں۔ جو صاحبِ عقل و بصیرت خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں، جن کو یقین ہے کہ پوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ مالک وہی ہے جو خالق ہے، جو رب ہے، جو

پروردگار ہے۔

اگر شیئر ہولڈروں اور کمپنی کے حصّہ داروں کو اس لیے مالک مانا جاتا ہے کہ انہوں نے رقم لگائی ہے۔ مٹیریل فراہم کیا۔ مزدوروں کی مزدوری ادا کی۔ یا مزدوروں کی ملکیت کا دعویٰ اس لیے کیا جاتا ہے کہ محنت پیداوار کی اصل ہے۔ انہوں نے محنت کر کے جو مال تیار کیا، تو جو مال تیار کرنے والا ہے، وہی مالک ہونا چاہیے، تو ان دلائل کی بنیاد پر حقیقی مالک اس کو کیوں نہیں مانا جائے گا، جس نے مال تیار کرنے والے کو تیار کیا۔ جس نے مٹیریل پیدا کیا۔ جو سرمایہ دار اور مزدور دونوں کا خالق ہے۔ جس نے سرمایہ دار کو سرمایہ بخشا۔ تو مزدور کو وہ قوت عطا کی، جس سے وہ مزدوری کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ پیر اور وہ تمام اعضا بنائے جن سے وہ کام لیتا ہے۔

توحید

توحید یہ ہے کہ جس طرح پوری کائنات اور کائنات کی ہر شے کا خالق خدا کو مانا جائے۔ ایسے ہی ہر شے کا مالک بھی اسی کو مانا جائے۔ یہ صرف اسی کی عطا ہے کہ اس نے ہمیں نیست سے ہست کیا۔ یعنی نیست کو جامۂ وجود پہنایا۔ یہ صرف اسی کا کرم ہے کہ کائنات کی ہستیاں ہمارے لیے مخصوص کر دیں۔ ہمیں ان پر اقتدار بخشا۔ اور ان کے استعمال کا حق عطا فرمایا۔ قرآن پاک اسی فلسفہ کو ذہنوں میں پیوست کرتا ہے۔ اور صاحبِ ایمان کا ذہن اسی فلسفہ کو حق سمجھتا ہے۔ اِن حقائق کا کون انکار کر سکتا ہے، جن کی طرف قرآنِ پاک نے تقریباً ڈیڑھ سو آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ : اللہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا۔ (سورۂ الزمر: ع: ۶)

خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ - ہر چیز کو پیدا کیا۔ (انعام، ع: ۱۲)

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ - کیا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟ اللہ کے سوا۔ (فاطر، ع: ۱)

فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ - پس مجھے دکھاؤ وہ کیا ہے جس کو اللہ کے علاوہ دوسروں نے پیدا کیا۔ (لقمان، ع: ۱)

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ - اللہ نے بنایا تم کو اور ان چیزوں کو جن کو تم بناتے ہو۔

جب وہ انسان کا خالق اس کی معمولات و مصنوعات کا خالق، انسان کے علاوہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے تو لامحالہ ہر چیز کا مالک بھی ہے، جو چیز بھی ہے وہ اسی کی ہے اور صرف اسی کی ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ - اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (سورہ بقرہ، رکوع: ۱)

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) عبیداللہ بن المسعود الحنفی المتوفی ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء صاحب شرح الوقایہ عرف "صدر الشریعۃ الثانی" نے یہ تعریف کی:

هو اتصال شرعی بین الانسان وبین شئ یکون مطلقا لتصرفه فیه وحاجزا عن تصرف الغیر فیه۔ (شرح وقایۃ۔)

ملک، انسان اور کسی چیز کے درمیان شریعت کا تجویز کردہ ایسا تعلق ہے جو اس شخص کے لیے جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اس شے میں تصرف کرے اور دوسرے کے تصرف کو روکتا ہے۔

شارح ہدایہ، علامہ کمال بن الہمام متوفی ۸۶۱ھ/۱۴۵۷ء کی تعبیر یہ ہے:

الملك قدرة یثبتها الشارع ابتداء علی التصرف الا لمانع۔

(بحوالہ الاشباہ والنظائر۔ ص ۵۳۱)۔(القول فی الملک الفن الثالث)

ملک، تصرف کرنے کی وہ قدرت ہے جو شریعت نے بلاواسطہ ثابت کی ہو، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔ یعنی ایسی قدرت کہ اگر کوئی شرعی (قانونی) رکاوٹ نہ ہو تو ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ تصرف کی طاقت وکیل کو بھی ہوتی ہے۔ مگر بلاواسطہ نہیں ہوتی۔ بلکہ موکل کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ لہٰذا وکیل کو مالک نہیں کہا جائے گا۔

ایک دیوالیہ جس کو عدالت نے نوٹس دے دیا کہ وہ کوئی چیز بیچ نہیں سکتا وہ اگرچہ تصرف نہیں کر سکتا۔ مگر اپنے اثاثہ کا مالک ہے۔

ہندوستان کے مشہور مایۂ ناز فیلسوفِ اسلام حضرت شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کے الفاظ نہایت مختصر اور واضح ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

معنی الملک فی حق الآدمی کونہ احق بالانتفاع من غیرہ ۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ص ۹۶ ج ۲)

آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے مقابلہ میں اس کو نفع اٹھانے کا حق زیادہ ہے۔

بہرحال جبکہ ملکیت انسان کی حقیقت صرف یہ نکلی کہ اس نے ایسا قابو پالیا، یا اس کو ایسی قدرت میسر آگئی جس سے اس کو نفع حاصل کرنے کا حکم ہو گیا تو ایمانداری یہ ہے کہ اس مقبوضہ کو انسان امانت یا عاریت سمجھے ۔ اس کے اصل مالک کو پہچانے اور اپنے تصرف اور انتفاع کو مالک حقیقی کی ہدایات کے ماتحت رکھے ۔ جن حقیقت شناس خدا رسیدہ بزرگوں نے قرآن اور مذہب کی روشنی میں اسلام اور احکام اسلام کے فلسفہ کو سمجھا پھر اس کو فارسی زبان کے شیشہ میں ڈھالا ۔ ان میں سے ایک کا شعر ہے ۔

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است
ایں امانت چند روزے نزد ماست

یہ شعر مسلمانوں کے عقیدہ کے عین مطابق ہے ۔ اس لیے ہر باذوق مسلمان کی زبان پر ہوتا ہے اور جب وہ اپنی اور ان چیزوں کی حقیقت پر غور کرتا ہے ۔ جن کو وہ اپنی سمجھتا ہے تو خاص جذبہ اور کیف کے ساتھ اس شعر کو گنگناتا رہتا ہے ۔

باقی آئندہ

پاکستان کا ممتاز دینی و علمی ہفت روزہ

صدائے اسلام پشاور

زیرسرپرستی : حضرت مولانا محمد یوسف قریشی مدظلہ   مُدیر : محمد اشرف علی قریشی

روایات سلف کا محافظ   علمی و دینی اصلاحی مضامین   تحقیقی مقالے   پُر مغز اداریے   معیاری ادبیات   سنجیدہ تنقیدیں   باطل اور لادینی طاقتوں کا تعاقب   فرقِ باطلہ کا احتساب ۔ اس کا پڑھنا مسلمانوں کے لیے باعث ثواب ہے ۔

قیمت فی پرچہ : ۲۵ پیسے، سالانہ دس روپے

ہفت روزہ صدائے اسلام جامعہ اشرفیہ عیدگاہ روڈ پشاور

جامعہ مدنیہ

حضرت مولانا پیر محسن الدین مدظلہ امیر جمعیۃ علماء اسلام مشرقی پاکستان کی نظر میں

حامداً و مصلیاً

آج بتاریخ ۱۹ مئی ۱۹۷۱ء مدرسہ میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ اس سے قبل اور بھی دو چار بار حاضر ہو چکا ہوں۔ چونکہ اس مدرسہ کا تعلق حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، اور ہم سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے ہیں۔ اس لیے رُوحانی تعلقات اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔

جب بھی آیا ہوں مدرسہ کو ترقی پر دیکھا۔ خداوند کریم مدرسہ کے اراکین کی سعی کو قبول فرما کر اس مدرسہ کو پاکستان کے لیے ایک مضبوط دینی ادارہ کی حیثیت عنایت فرمادیں آمین۔ فقط

۱۹ مئی ۱۹۷۱ء

محسن الدین غفرلہ

انوار مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت "جناب محترم عطاء اللہ خاں صاحب منیجر انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ لاہور سے کی جائے اور ہر خط میں خریداری نمبر اور اپنا پتہ صاف الفاظ میں ضرور تحریر کیا جائے ——— (ادارہ)

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار مدینہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

Regd. No. L. 7878

ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور، پاکستان

جامعہ مدنیہ کے دو عمومی منظر

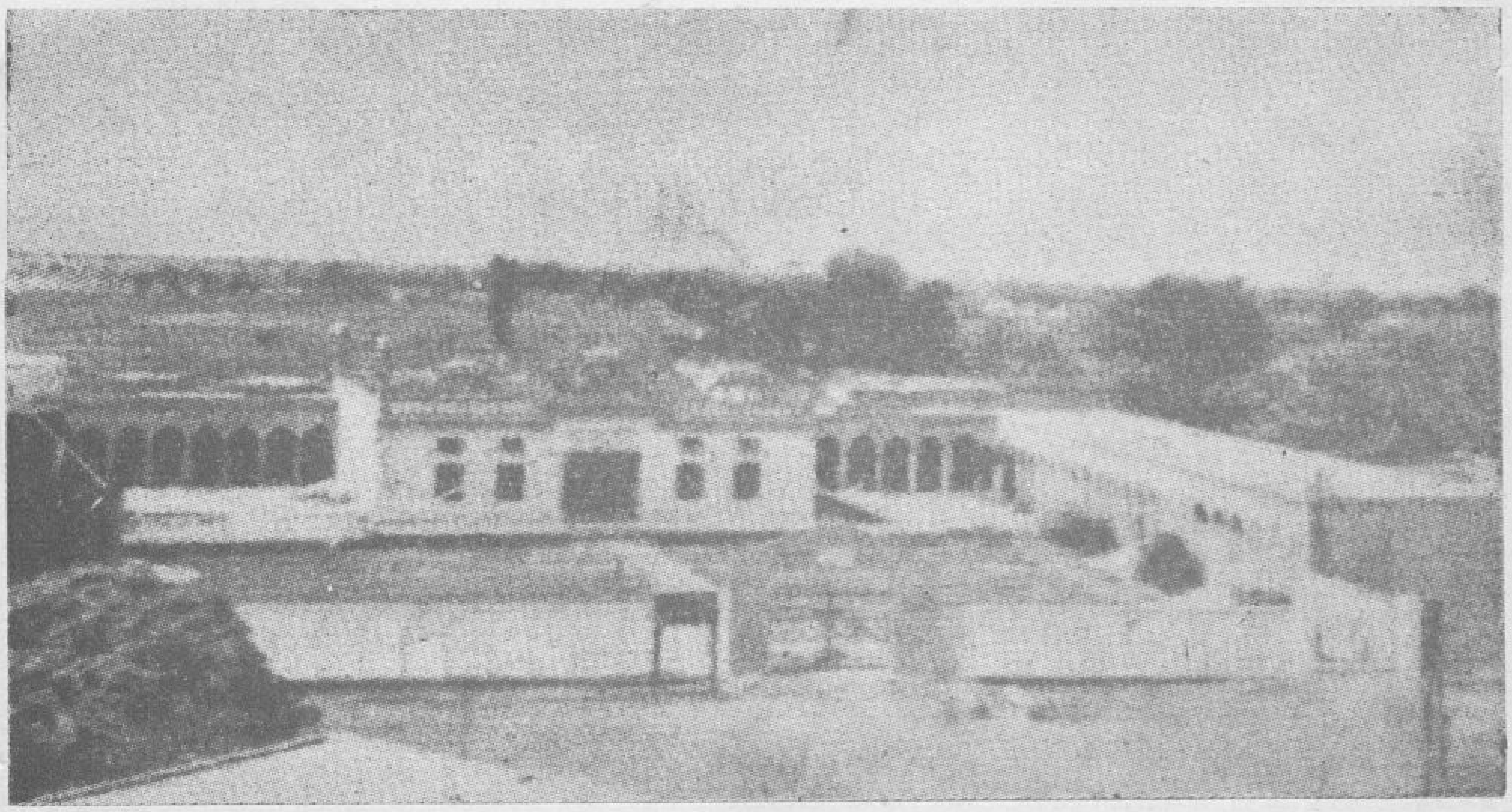

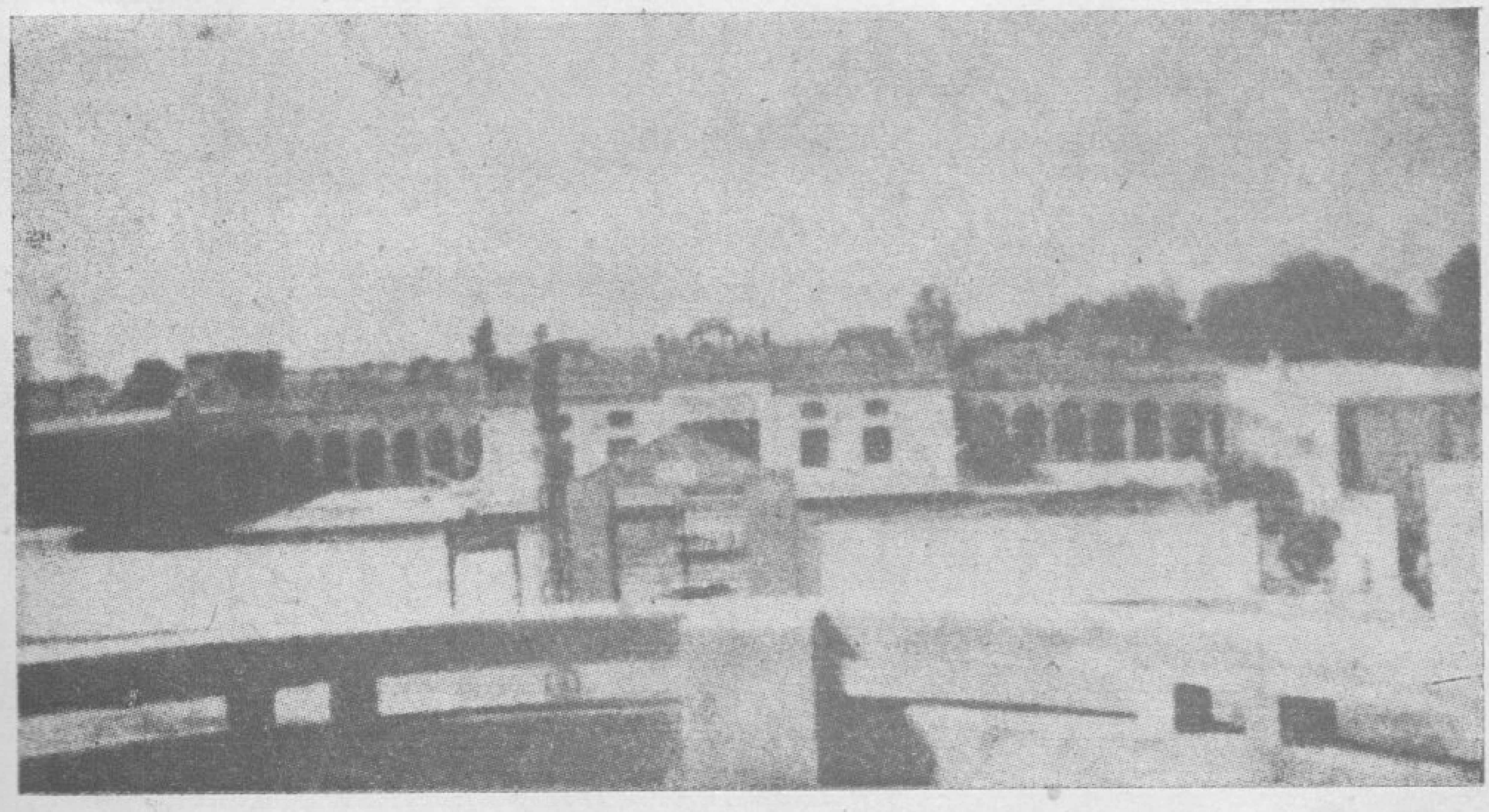

جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون : ۶۲۹۳۲ مستثنیٰ از انکم ٹیکس زیرِ دفعہ ۱۵ ڈی